

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفرِ آخرت اور وصیتیں

اُردو ترجمہ

مرض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووصایاہ عند موتہ

مؤلف

صلاح بن فتحی ابوخبیب

مترجم

مولانا محمد زکریا اقبال

اُستاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت العلوم

۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفر آخرت اور وصیتیں

اردو ترجمہ

مرض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووصایاہ عند موتہ

مؤلف

صلاح بن فتحی ابو خبیب

مترجم

مولانا محمد زکریا اقبال

استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

نام کتاب	محسن انسانیت ﷺ کا سفر آخرت اور وصیتیں
اردو ترجمہ	مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وصایاہ عند موتہ
مؤلف	صلاح بن فتحی أبو خبیب
مترجم	مولانا محمد زکریا اقبال (استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام	محمد ناظم اشرف
ناشر	بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ ملنے کے پتے ﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور

ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور

ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی

دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱

بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱

بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی

ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

ادارۃ القرآن = اردو بازار، کراچی

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ مترجم

الحمدللّٰہ و کفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. أما بعد.

اللہ رب العالمین کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس عاجز کو حرف شناسی کی توفیق، قلم پکڑنے کی طاقت اور اسے اپنے دین کے لیے استعمال ہونے کی سعادت سے سرفراز فرمایا، فَلَهُ الحمد ولهُ الشکر۔

نبی اکرم، شفیع اعظم، فخر موجودات، رحمت کائنات محسنِ انسانیت ﷺ فداہ روحی وابی وامی کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ بنی نوع انسان کے لیے ہدایت ورشد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ آپ کی گراں قدر سیرت کا ایک پہلو آپ کی وفات کا سانحہ بھی ہے جو ہر مسلمان کے لیے عموماً لیکن جانباز وجانثار صحابہؓ کے لیے خصوصاً زندگی کا سب سے مشکل اور جاں گداز حادثہ تھا۔ صحابہؓ جن کے لیے آپ ﷺ کی ایک دلنواز نظر، ایک شفقت آمیز مسکراہٹ اور ایک محبت خیز نگاہ ہی سندیسۂ حیات اور دل و جاں کی بہار تھی، ان کے لیے آپ ﷺ سے دائمی جدائی کا تصور کس قدر جان لیوا تھا یہ کسی صاحب دل پر مخفی نہیں۔ صحابہؓ کے یہ بے نظیر جذبات احادیث وروایات میں محفوظ ہیں حضور علیہ السلام کی زندگی کی طرح آپ کی وفات بھی مسلمانوں کے لیے عظیم سبق رکھتی ہے۔ آپ کی وفات، مرضِ وفات کے حالات اور اس کڑے اور مشکل وقت میں صحابہؓ کے جذبات سے باخبر ہونا ہر مسلمان کے لیے ضروری بھی ہے خصوصاً اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنی امت کو جو وصیتیں فرمائیں وہ ہر مسلمان کے لیے سرمایۂ حیات ہیں۔ اور سرمۂ بصیرت بھی۔ عربی زبان میں اس موضوع پر احقر کو ایک مختصر رسالہ ''مرض النبی ﷺ ووصایاہ عند موتہٖ'' کے مطالعہ کا موقع ملا، اور احساس ہوا کہ اگر اس کا اردو ترجمہ کر دیا جائے تو انشاء اللہ مسلمانوں کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

اسی امید پر احقر نے اس رسالہ کا ترجمہ شروع کر دیا، اللہ کا شکر ہے جس نے اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی، اس سے التجاء عاجزانہ ہے کہ اس رسالہ کو قبولیت و مقبولیت عطا فرمائے آمین۔ اگر اس رسالہ سے کسی مسلمان کو بھی اپنے محور و مرکز سے جڑنے کی تحریک پیدا ہو گئی اور اپنے نبی ﷺ کی مبارک و پاکیزہ زندگی کی اتباع کا جذبہ نصیب ہو گیا تو ان شاء اللہ اس کے اعمال حسنہ میں احقر ناکارہ بھی شریک ثواب ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے محترم مولوی ناظم اشرف صاحب زید مجدہم کو جن کے پرخلوص اصرار کی بناء پر یہ کام قلیل مدت میں پایۂ تکمیل تک پہنچا، نیز میرے شفیق و محترم والدین جن کی محبت و شفقت اور جہد مسلسل نے احقر کا دین علم دین سے رشتہ استوار کیا، دعا ہے کہ رب کریم اپنے فضل و کرم سے انہیں دارین میں اپنے بے پناہ انعامات سے سرفراز فرمائے۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ انسان ظلوم و جہول ہے، خطا ونسیان کا پتلا ہے، اس رسالہ میں اگر انہیں کوئی غلطی معلوم ہو تو تعاون علی الخیر والبر فرماتے ہوئے احقر کو اس سے مطلع فرمائیں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ آمین۔

وصلی اللّٰہ علیٰ سیدنا و نبیّنا محمدٍ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم۔

احقر: محمد زکریا اقبال
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ پاک کے لیے ہیں جو ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا، ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے، زبردست قدرت و طاقت کا مالک ہے، اس کی نعمتوں پر ہم اس کے شکر گزار ہیں جس نے ہمیں سیدھے راستہ پر چلایا، اس کی پناہ میں آتے ہیں اور اس سے توفیق کے طلبگار ہیں۔ اس سے حفاظت کا سوال کرتے ہیں اور اپنے تمام کاموں میں سہولت و آسانی کے طلبگار ہیں۔ اس کی نعمتوں میں اضافہ کے خواہش مند ہیں اور مصائب ومشکلات میں اس سے خیر اور بھلائی کے طالب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں اس کی ان عظیم نعمتوں پر جن کا بدلہ کسی انسان سے ممکن نہیں۔ اور جو اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار کرنا کسی کی قدرت میں نہیں۔

درود وسلام ہو اس نبی اکمل واطہر پر، وہ اللہ کے آخری نبی ہیں جو اہل زمین کی طرف مبعوث ہوئے۔ اور ان کے آل واولاد اور اصحابؓ باکمال پر اور اہل تقویٰ پر۔

اے اللہ! رحم فرما ان کے متبعین پر، جو اہل سعادت ہیں اور ہمارا حساب اور روز حشر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ فرما۔ ہمیں اپنی نعمتوں کا وارث بنا اور ہمیں شقاوت و بدبختی سے محفوظ فرما۔ ہم پر اپنی رحمتیں نازل فرما، مصائب کو دور فرما، ہمارے درجات کو بلند فرما، اے ہمارے رب! ہماری دعا وپکار کو قبول فرما۔ آمین۔

میری یہ مختصری کتاب نبی اکرم ﷺ کی وفات کے متعلق ایک جامع کتاب ہے جس میں، میں نے احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اصل ذخیرہ اور مآخذ سے وہ منتخب احادیث جمع کی ہیں جو رسول اکرم ﷺ کے مرض وفات اور دنیا سے پردہ فرمانے کے احوال، اور اس وقت میں آپ کی وصیتوں سے متعلق ہیں۔

میں نے اختصار کے ساتھ اس موضوع سے متعلق وہ احادیث جمع کی ہیں جن سے قارئین کی آنکھیں روشن ہو جائیں۔

دیگر کتب میں اگرچہ یہ احادیث موجود تھیں لیکن کافی طوالت اور عنوانات نہ ہونے کی وجہ سے عام قاری کے لیے اس سے استفادہ مشکل تھا۔ لہٰذا میں نے حتی الامکان اختصار کے ساتھ وہ احادیث نقل کر دی ہیں البتہ اس میں خلافت اور میراث سے متعلق احادیث کو ترک کر دیا ہے قارئین سے گزارش ہے کہ وہ ہماری غلطیوں سے درگزر کرتے ہوئے اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ ہماری غیر اختیاری خطاؤں سے صرف نظر فرمائیں۔ اس لیے کہ یہ ایک انسانی کاوش ہے جس میں خطاء و غلطی کا صدور ناگزیر ہے۔ ہم اپنے اس قصور کے معترف ہیں کیونکہ ہم نے نہ تو علم کی ہر ہر گھاٹی کو پار کیا ہے نہ ادب کی ہر وادی میں پڑاؤ کیا ہے۔ انسان تو فقط محنت و کوشش کرتا ہے ہدایت کی طرف چلانا اللہ ہی کا کام ہے۔

اس بارے میں ہم امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول پر اپنی ان معروضات کو ختم کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب ''غریب الحدیث'' کے مقدمہ میں بیان کیا ہے:

> ''ہر وہ شخص اس کتاب کے کسی حرف و معنیٰ سے کسی غلط فہمی کا شکار ہو یا کسی غلطی میں پڑنے کے خوف میں مبتلا ہو تو ہم اسے اللہ کا واسطہ دیتے ہیں کہ وہ اس غلطی کی اصلاح میں ہمارے ساتھ تعاون کرے اور اس بارے میں خیر خواہی کا حق ادا کرتے ہوئے ہمیں اس سے مطلع کرے، اس لیے کہ انسان کمزور ہے، وہ غلطی و خطا سے مبرا اور پاک نہیں۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور توفیق خاص سے اس کی خطاؤں سے حفاظت فرمائیں۔''

﴿تمہید﴾

نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہاں دس سال تک قیام فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا سے اٹھا کر اپنے رفیق اعلیٰ کے لیے منتخب فرمالیا۔

میں نے اس بارے میں جو روایات ذکر کی ہیں وہ زیادہ تر حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں، اور میں نے اپنی کتاب ''بدء الوحی'' میں انہیں ذکر بھی کیا ہے۔

جب موت ایک ایسی اٹل اور یقینی حقیقت ہے کہ جس سے کسی فردِ بشر کو مفر نہیں تو ضروری تھا کہ رسول کرم ﷺ پر بھی موت طاری ہوتی اور آپ کو بھی اپنے وقتِ موعود پر دنیا سے جانا پڑتا تا کہ آپ دنیا سے آخرت کی طرف اور عارضی قیام گاہ سے دائمی عیش گاہ کی طرف منتقل ہوتے۔ اپنے رب کی رضا وخوشنودی کے مقام اور جنت میں تشریف لے جاتے۔

چنانچہ اہل کتاب بھی اپنے کتبِ سماویہ میں مذکور ہونے کی بناء پر رسول اکرم ﷺ کے یومِ وفات کا علم رکھتے تھے، بلکہ ان کی کتب میں اس بات کا تذکرہ رسول اکرم ﷺ کی رسالت کی تصدیق اور آپ کی نبوت کی سچائی کی دلیلوں میں سے ایک اہم دلیل ہے۔ اور یہ چیز آپ ﷺ کی رسالت کے وقار کو دیگر تمام رسالتوں سے زیادہ ممتاز کرتی ہے۔ لیکن یہود و نصاریٰ مسلمانوں سے حسد کی بناء پر اسے تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ حق کے بارے میں سرکشی کی راہ چلنے والے تھے، اور ان کا کفر تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہ تو ہیں ہی سرکشی وعناد کرنے والے انکار و تکذیب کی راہ پر چلنے والے، لیکن تعجب تو ان مسلمانوں پر ہے کہ جو اپنے دین اور اعتقاد میں کمزور و غافل ہو گئے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی وفات بھی (ان کی حیات کی طرح) اس امت کے لیے باعث رحمت تھی، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

> ''اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کی امت کے ساتھ رحمت کا ارادہ فرماتے ہیں تو اُس کے نبی، کو اس امت سے پہلے دنیا سے اٹھا لیتے ہیں، چنانچہ وہ نبی اپنی امت کے واسطے ذخیرۂ آخرت بن جاتا ہے۔ اور بعد والوں کے لیے

مقتدیٰ بن جاتا ہے۔ اور جب کسی امت کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس امت کو نبی کی زندگی میں ہی مبتلائے عذاب کر دیتے ہیں اور ان کی ہلاکت اس حال میں ہوتی ہے کہ وہ نبی اپنی امت کی ہلاکت کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کی ہلاکت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے کیونکہ جب وہ اپنے نبی کی تکذیب کرتی ہے اور اس کی نافرمانی کرتی ہے تو نبی کو اسی سے راحت ہوتی ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے ان نافرمانوں کی ہلاکت کا مشاہدہ کرے۔''

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ بھی امت کے لیے فتنوں اور مصائب سے حفاظت کا ذریعہ اور اَمان تھی، جب رسول اکرم ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے تو امت پر فتنوں کے دروازے کھل گئے۔ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ کا ہی ارشاد گرامی ہے آپ نے فرمایا:

''میں اپنے صحابہ کے لیے امان و حفاظت ہوں، جب میں (دنیا سے) رخصت ہو جاؤں گا تو میرے صحابہ کے سامنے وہ فتنے اٹھیں گے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اور میرے صحابہ میری امت کے لیے حفاظت و امان ہیں، جب وہ دنیا سے چلے جائیں گے تو پھر امت پر وہ فتنے سر اٹھائیں گے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

(رواہ مسلم، صحیح ابن حبان)

اس حدیث میں ''آمنہ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنیٰ امان اور حفاظت کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی مقدس ہستی اپنی امت کے واسطے ہر طرح کے فتنوں اور مصائب و بلیات سے حفاظت کا ذریعہ تھی۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی ہر فتنہ کے آڑے آ جاتی۔

اس بات میں کوئی شک ہی نہیں کہ آپ علیہ السلام کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد امت پر فتنوں کے دروازے کھل گئے، ارتداد کا فتنہ، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کی مظلومانہ شہادت اور اس پر پیدا ہونے والے حالات کا فتنہ اور اس طرح کے دیگر سخت فتنے جو صحابہؓ کے دور میں اس امت پر گزرے، کسی واقفِ حال پر مخفی نہیں، دور صحابہ کے بعد پیدا ہونے والے فتنے تو ان کے علاوہ ہیں۔ ان کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔ اس بارے میں تاریخ کا مطالعہ کافی ہوگا ہم نے اشارتاً چند ایسے فتنے ذکر کر دیئے جن سے اس بات کا کافی حد تک اندازہ کرنا ممکن ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری خطبہ

جب آپ ﷺ کی وفات کا وقت قریب ہوا اور مرض الوفات نے رسول اللہ ﷺ کو لوگوں سے ملنے اور عام مجالس میں شرکت سے روک دیا، لوگ آپ ﷺ کی پرنور دید بہار مجالس سے کیا محروم ہوئے ان کی دنیا ہی خزاں رسیدہ ہوگئی۔

ایک روز انصار کا مجمع تھا مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں، لوگ آپ ﷺ ہی کا تذکرہ کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کے مرض اور آپ ﷺ کی نورانی مجالس سے محرومی کا غم اتنا زیادہ ہوا کہ ان پر گریہ طاری ہوگیا اور وہ شدت غم سے رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان کی اس حالت کا ذکر کیا گیا تو آپ علیہ السلام حجرۂ شریفہ سے اس حال میں باہر تشریف لائے کہ سر مبارک کو باندھا ہوا تھا، آپ منبر شریف کی آخری سیڑھی پر تشریف فرما ہوگئے اور حمد وثنا کے بعد انصار کے متعلق لوگوں کو حسن سلوک کی وصیت کی۔

نماز میں آخری سورت جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلاوت فرمائی:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ام الفضل بنت الحارث سے یعنی اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں والمرسلات عُرفاً کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ اس کے بعد آپ نے ہمیں کوئی نماز نہیں پڑھائی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض فرمالی۔“

(رواہ البخاری)

﴿آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موت کے آثار و علامات کا ظہور﴾

اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے وقتِ موعود سے آگاہ کرنا:

اللہ تعالیٰ نے جب قرآن کریم میں سورۃ النصر نازل فرمائی: یعنی

﴿اِذَا جَاۤءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا﴾

''تو یہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے وقتِ موعود کے قریب ہونے کی بھی اطلاع تھی جس میں آپ کو یہ خبر دی گئی تھی کہ آپ کا دنیا سے پردہ فرمانے کا وقت قریب ہو گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ (کیونکہ اس سورت میں دین کی تکمیل اور اسلام کے غلبہ کی بشارت دی گئی ہے اور تکمیل دین کے بعد نبی کا مقصدِ بعثت پورا ہو جاتا ہے)۔ (رواہ البخاری)

آخر عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا تسلسل کے ساتھ نزول:

مشہور تابعی محدث ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ:

''مجھ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے قبل آپ پر تسلسل کے ساتھ وحی نازل فرمائی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے، اور سب سے زیادہ وحی وفات کے دن نازل ہوئی۔'' (رواہ البخاری)

اللہ تعالیٰ عزوجل کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آخر عمر میں تسلسل کے ساتھ نزولِ وحی کا راز اور حکمت (واللہ اعلم) یہ تھی کہ فتح مکہ کے بعد قبائل عرب کے وفود کی آمد کثرت کے ساتھ شروع ہو گئی اور ان کی کثرت سے آمد کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احکام شرعیہ سے متعلق سوالات اور استفسارات بھی بہت زیادہ ہو

گئے تھے کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ سے دین کے متعلق تفصیلی احکامات و جزئیات معلوم کرلیں تا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے واسطے دین کی تکمیل فرما کر اپنی نعمت کو اکمل واتم فرما دیں۔ اور اس کے بعد نبی ﷺ کا دنیا سے تشریف لے جانے کا وقت آ جائے اور آپ بندوں کی دنیا سے بندوں کے رب کی جنت کی طرف گامزن ہو جائیں اور رحلت کرنے والا اور جس کی طرف رحلت کی جائے دونوں ہی پاکیزہ ترین ذات ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمارا حشر بھی ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ فرمائے۔ وہ بلاشبہ ہر چیز پر قادر و کارساز ہیں۔

حضرت عباسؓ کی فراست:

رسول اللہ ﷺ اپنے مرض الوفات میں تھے، ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے پاس سے باہر تشریف لائے تو مضطرب صحابہؓ نے آپ ﷺ کی حالت کے متعلق استفسار کیا اور کہا: اے ابوالحسن! (حضرت علیؓ کی کنیت ہے) رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ سیدنا علیؓ نے جواب دیا: الحمدللہ طبیعت مبارک بہتری کی طرف مائل ہے۔

حضرت عباسؓ نے جب یہ جواب سنا تو حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور ان سے کہا:

"اللہ کی قسم! تم تین دن کے بعد لاٹھی کے بندہ ہو گے۔"

(حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری اس جملہ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا تین دن کے اندر وصال ہو جائے گا اور اس کے بعد کوئی دوسرا تمہارا حاکم ہوگا اور تم محکوم۔ گویا یہ جملہ کنایہ تھا اس بات سے کہ تم کسی دوسرے کے تابع ہو جاؤ گے اور اس میں حضور اکرم ﷺ کی وفات کو کنایۃً بالیقین بتلایا گیا تھا، جو حضرت عباسؓ کی فراست ایمان اور بصیرت و ذہانت کی دلیل ہے)

حضرت عباسؓ نے مزید فرمایا:

"اور اللہ کی قسم! میں بلاشبہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اسی مرض میں وفات پا جائیں گے کیونکہ بنو عبدالمطلب

کے چہرے موت کے وقت جس حال میں ہوتے ہیں میں خوب پہچانتا ہوں (یعنی میں آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر موت کے آثار واضح طور پر محسوس کر رہا ہوں جیسا کہ عموماً اولادِ عبدالمطلب کے چہرے موت کے وقت ہوتے ہیں)۔

حضرت عباسؓ کی یہ تمام گفتگو ان کی فراست، وقتِ نظر، ذہانت اور تجربہ پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دو بار قرآن کا دور کرنا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال آپ علیہ السلام کو ایک بار قرآن سناتے تھے، اور جس سال آپ ﷺ کا وصال ہوا، انہوں نے دو بار آپ ﷺ کو قرآن سنایا۔'' (رواہ البخاری)

خود رسول اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا کہ:

''جبرئیل علیہ السلام ہر سال ایک بار ان سے قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور اس سال انہوں نے دو بار قرآن کا دور فرمایا ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ موت کا وقت مقرر قریب آ چکا ہے۔''

مذکورہ بالا احادیث میں ''تعارض اور معارضۃ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو قرآن سناتا تھا۔ اسی کو ہماری اصطلاح میں ''دور'' کہا جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام کا وفات کے سال میں بیس یوم کا اعتکاف:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ:

''نبی اکرم ﷺ ہر رمضان المبارک میں دس دنوں کا اعتکاف کیا

کرتے تھے، جس سال آپ کی روح قبض کی گئی اس سال آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔'' (رواہ البخاری)

آپ علیہ السلام کے بیس دن اعتکاف کی حکمت بظاہر یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی پاکیزہ زندگی کو نیکیوں اور طاعات میں مشقت کی انتہاء پر مکمل فرمانا چاہتے تھے، چنانچہ قضاء الٰہی اس طرح پوری ہوئی کہ حیاتِ مبارکہ کے آخری رمضان المبارک میں دس کے بجائے بیس یوم کا اعتکاف فرمایا، اس رمضان میں عام معمول کے برخلاف جبرئیل علیہ السلام نے ایک کے بجائے دو بار قرآن کریم کا دور مکمل کیا۔ اسی سال آپ حج کے لیے تشریف لے گئے، تاکہ جب رفیق اعلیٰ کا سفر ہو تو آپ تسبیح وتحمید، استغفار و دعاء میں مشغول ہوں اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ کی تکمیل ان مبارک اعمال، طاعات، خیر اور بھلائی کے امور پر ہو۔

اسی خطبۂ حجۃ الوداع میں آپ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک تمہارے خون، تمہارے اموال، تمہاری عزتیں آپس میں ایک دوسرے کے لیے ایسے محترم ہیں جیسے تمہارے اس دن (یوم عرفہ) کی حرمت، تمہارے اس ماہ (ذی الحجہ) کی حرمت، تمہارے اس شہر (بلدِ امین مکہ مکرمہ) کی حرمت، آگاہ ہو جاؤ! چاہیے کہ حاضرین، غائبین تک یہ احکامات پہنچا دیں۔''

بعدازاں فرمایا: خبردار! کیا میں نے فریضۂ رسالت وحق تبلیغ ادا کر دیا؟ صحابہؓ نے بیک زبان جواب دیا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! گواہ رہنا تین بار فرمایا:

اسی موقع پر آپ ﷺ پر وحی مبارک نازل ہوئی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

''آج کے دن میں نے تمہارے واسطے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے اپنی نعمت تم پر کامل کر دی اور میں نے تمہارے لیے دین

اسلام کو چن لیا۔'' (المائدہ)

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم ﷺ نے سو اونٹ نحر فرمائے جن میں تریسٹھ (۶۳) اونٹ اپنے دستِ مبارک سے نحر فرمائے اور سینتیس (۳۷) کے لیے حضرت علیؓ کو نحر کا حکم دیا۔

ابن حبانؒ نے اس میں یہ حکمت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک اس وقت تریسٹھ برس تھی تو آپ نے اپنی زندگی کے ہر سال کے عوض ایک اونٹ نحر فرمایا، اور زائد کے متعلق حضرت علیؓ کو حکم دے دیا۔ اور ان تمام امور میں مشغول کرنے کا مقصد بارگاہ خداوندی میں آپ کے درجات اور مقامات کی بلندی تھا۔ علاوہ ازیں اس میں امت کے لیے تعلیم بھی تھی کہ یہ امت اپنے نبی کی پیروی میں اپنی پوری زندگی بالخصوص آخری عمر طاعات اور اعمال خیر میں صرف کرنے کا اہتمام کرے، اور اس میں امت کی ہمتوں کو بلند کرنا بھی پیش نظر تھا کہ وہ دنیا سے روانگی اور عمر کی انتہا کے موقع پر غفلت کی زندگی سے منہ موڑ کے طاعات میں مشغول رہیں۔

حجۃ الوداع:

دنیا سے عقبیٰ کی طرف سفر اور وقتِ موعود کے قریب آنے کا احساس سرورِ کونین ﷺ کو بھی ہو گیا تھا چنانچہ آپ کے ارشاداتِ عالیہ میں اس کی طرف اشارات ملتے تھے، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا تھا:

''مجھ سے مناسکِ حج سیکھ لو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ شاید اس حج کے بعد میں کوئی حج نہ کر سکوں۔'' (مسلم)

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم پر کوئی اپاہج اور لولا غلام امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ کی رہنمائی میں تمہاری قیادت کرے تو اس کی سمع و طاعت کی بیعت کرو۔'' (رواہ مسلم)

اسی خطبۂ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے صحابہؓ کے سامنے دجال اور اس

کے فتنوں کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا کہ اس نے (اس فتنہ سے) اپنی امت کو ڈرایا نہ ہو، نوح علیہ السلام نے اپنی امت کو ڈرایا

حضور ﷺ کا مرضِ وفات

مدینہ منورہ واپسی کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کا مرض شدید ہو گیا تو آپ ﷺ نے اپنی تمام ازواج سے اس بات کی اجازت مانگی کہ وہ اپنا زمانۂ مرض اپنی محبوب زوجۂ مطہرہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گزاریں۔ اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو سب لوگوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں ان کے قرب میں گزاریں۔ چنانچہ تمام ازواج مطہراتؓ نے اس کی بخوشی اجازت دے دی۔

رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف اپنے قدموں پر چل کر تشریف لے گئے لیکن اس طرح کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے، اور آپ ضعف کی شدت کی بناء پر پاؤں زمین سے اٹھانے کی قدرت نہ رکھتے تھے۔ اسی حالت میں آپ ﷺ سیدہ عائشہؓ کے گھر میں تشریف لائے۔

وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی بیماری کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا لیکن آپ ﷺ کا دل اپنی امت کی فکر اور غم میں گھلتا جا رہا تھا کہ آپ ﷺ کے بعد امت کا کیا بنے گا؟

ایک روز آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ آپ ﷺ کے اوپر سات ایسے مشکیزوں کا پانی بہایا جائے جن کی ڈاٹیں کھولی نہ گئی ہوں، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''شاید میں لوگوں سے کچھ اہم باتیں کر سکوں۔'' چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ باہر تشریف لائے، لوگوں کو نماز پڑھائی، انہیں خطبہ دیا۔ آپ ﷺ کا مذکورہ بالا ارشاد درحقیقت اس بات کا اشارہ تھا کہ آپ کی وفات اور دنیا سے تشریف لے جانے کا وقت قریب ہو گیا ہے۔ اور آپ ﷺ اب دنیا کے مسائل و مشقتوں سے نکل کر دائمی جنت

کی طرف سفر کی تیاری فرما رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمارا حشر آپ کے ساتھ فرما دیں۔ آمین۔

''رسول اللہ ﷺ نے جنگ اُحد کے آٹھ برس بعد شہداء اُحد پر نماز (جنازہ) پڑھی گویا کہ آپ زندہ اور مردوں کو رخصت کر رہے ہوں۔

بعدازاں آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا:

''میں تمہارے سے پہلے آخرت میں پہنچ کر تمہارے لیے ذخیرہ نجات بنوں گا، اور میں تمہارے اوپر گواہ ہوں گا اپنے رب کے پاس، بے شک تم سے میری ملاقات کی جگہ حوضِ کوثر ہے اور گویا میں یہاں سے اپنا وہ مقام دیکھ رہا ہوں۔ مجھے تم سے یہ اندیشہ نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے البتہ مجھے تم سے یہ خوف ہے کہ تم دنیا کی محبت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو گے۔'' (بخاری)

حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں کہ یہ میرا رسول اللہ ﷺ کو آخری بار دیکھنا تھا، اسکے بعد میں آپ ﷺ کی حیات میں آپ کا دوبارہ دیدار نہ کر سکا۔

بقیع کے مدفون حضرات کے لیے استغفار:

حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

''آپ کے رب نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ بقیع میں تشریف لائیں اور اہل بقیع کے لیے استغفار فرمائیں۔'' (رواہ مسلم)

یہ تمام امور اس بات کی علامت تھے کہ اب دنیا سے تشریف لے جانے کا وقت قریب ہو گیا ہے، اور اپنے رب سے ملاقات کا وقت مقررہ قریب آ پہنچا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ اس کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔

دنیائے فانی سے رخصتی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو وصیت اور تعلیمات

موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن کی تاکید:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات سے تین یوم قبل یہ ارشاد فرماتے سنا:

"خبردار! تم میں سے کسی کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے اچھا گمان رکھتا ہو۔" (رواہ مسلم) (یعنی اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ گمان رکھے کہ وہ انشاءاللہ میری مغفرت فرما دے گا۔ اصطلاح میں اس گمان کو "رجاء" کہا جاتا ہے۔ اور یہ ایک صفتِ مطلوب ومحمود ہے)

رکوع وسجود میں تلاوت کی ممانعت اور دعا کی اجازت:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (مرض کے ایام میں ایک روز) حجرۂ شریف کا پردہ ہٹایا، صحابہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کی اقتدا میں نماز کے لیے صف باندھے کھڑے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! نبوت کی بشارتوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی سوائے سچے خوابوں کے جنہیں کوئی مسلمان دیکھے یا اس کو دکھائے جائیں۔ آگاہ رہو! بیشک مجھے منع کر دیا گیا ہے اس بات سے کہ میں رکوع یا سجدہ کی حالت میں قرآن کریم کی تلاوت کروں۔"

جہاں تک رکوع کا تعلق ہے تو اس میں تم اللہ عزوجل کی تعظیم وتکریم کے کلمات کہو (جیسے سبحان ربی العظیم) رہا سجدہ تو اس میں خوب محنت سے دعا مانگو، اس لیے کہ بہت ممکن ہے کہ تمہاری دعا قبول کر

لی جائے۔'' (رواہ مسلم)

یعنی سجدہ کی حالت میں کی گئی دعا اس بات کی مستحق ہے کہ اسے شرفِ قبولیت سے نوازا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حالتِ سجدہ میں دعا کرنا افضل و مطلوب ہے۔

(البتہ یہاں یہ واضح رہے کہ نماز کے سجدہ میں وہی مانگنا جائز ہے جو قرآن و سنت سے ثابت اور مأثور ہوں۔ غیر مأثور دعائیں یا مأثور دعاؤں کو اپنی زبان میں یا اپنے الفاظ میں مانگنا نماز کے فساد کا سبب بن جائے گا)

کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کی ہدایت:

حضرت طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہٗ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔

میں نے عرض کیا کہ پھر لوگ جو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے وصیت لکھوائی تھی یا وصیت کے لکھنے کا حکم دیا تھا اس کا کیا مطلب ہے؟

فرمایا: ''آپ ﷺ نے فقط کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی وصیت فرمائی تھی۔'' (رواہ البخاری)

فائدہ: اس حدیث میں سائل (طلحہ بن مصرفؒ) کے سوالات کا مقصد یہ تھا کہ کیا حضور ﷺ نے مرض الوفات میں کسی کے حق میں خلافت کی وصیت فرمائی تھی؟ جواب میں حضرت ابن ابی اوفیٰؓ نے وصیت بالخلافۃ کا صریحاً انکار کر دیا کہ ایسی کوئی وصیت نہیں فرمائی۔ البتہ لوگوں میں جس وصیت کے متعلق مشہور ہے وہ قرآن کریم اور کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کی وصیت ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ روافض جو خلافت کی وصیت کے متعلق باتیں گھڑتے ہیں ان میں کوئی حقیقت نہیں۔

سنت نبوی ﷺ اور سنت خلفاء کی پیروی کی وصیت

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک روز فجر کی نماز پڑھائی، بعدازاں ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں خطاب کر کے ایک بلیغ خطبہ دیا جس کی تاثیر سے آنکھیں بہنے لگیں، اور دل ڈرنے لگے، ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کا اس طرح خطبہ دینا اس بات کا اشارہ کر رہا ہے کہ یہ کسی رخصت ہونے والے کا خطبہ ہے لہٰذا آپ ہمیں وصیت کیجئے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی اور تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اپنے امیر کی سمع و اطاعت اور فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہوں خواہ تمہارے امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔''

بعدزاں فرمایا:

''کیونکہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا، پس تمہارے اوپر لازم ہے کہ میری سنت کو تھامے رہو اور خلفاء راشدین جو ہدایت پر ہیں ان کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رہو، اور ان کو دانتوں سے سختی کے ساتھ پکڑ لو، دین میں نئی نئی باتیں نکالنے سے خوب بچتے رہو اس لیے کہ ہر نئی بات دین میں بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' (حدیث صحیح رواہ احمد)

انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق وصیت:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک بار (مرض وفات کے دنوں میں) حضرت ابوبکر اور حضرت

عباس رضی اللہ عنہما کا گزر انصار کی مجالس میں سے ایک مجلس پر ہوا۔ وہ لوگ رو رہے تھے، ان حضرات نے پوچھا کہ کیا بات ہے کیوں رو رہے ہو؟ انصار نے جواب دیا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی وہ مجالس رشد و ہدایت یاد آ رہی ہیں جو آپ ﷺ ہمارے ساتھ منعقد فرماتے تھے۔

یہ دونوں حضرات حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انصار کے غم اور رنجیدگی کے متعلق آپ ﷺ سے بیان کیا۔ حضور ﷺ یہ سن کر باہر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ ﷺ نے سر مبارک پہ چادر کا کنارہ باندھ رکھا تھا۔ آپ ﷺ منبر پر چڑھے اور اس کے بعد پھر دوبارہ منبر پر نہ چڑھ سکے۔ (یعنی حیات مبارکہ میں آخری بار منبر پر تشریف لے گئے) پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی اور کہا:

''میں تم کو انصارؓ کے متعلق حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ وہ میرے خاص اور مقرب لوگ ہیں، بے شک انہوں نے اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داری کو پورا پورا ادا کیا اور جو کچھ ان کے واسطے تھا (ان کا حق تھا) وہ باقی رہ گیا، لہٰذا جو ان کے بہترین لوگ ہیں ان سے تعلق رکھو اور جو ان میں سے تم سے برا سلوک کرنے والے ہیں ان سے درگزر کرو۔''

فائدہ: انصار وہ صحابہ کرامؓ ہیں جنھوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لانے پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مہاجرین صحابہؓ کی بھرپور مدد و نصرت کی اور اپنا سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی رضا جوئی کے لیے صرف کرنے سے کبھی دریغ نہ کیا۔ حدیث میں حضور ﷺ نے انصار کے لیے دو لفظ ارشاد فرمائے: ''فانهم كرشي و عيبتي'' کرش عربی زبان میں معدہ کو کہا جاتا ہے جہاں انسان کی غذا جمع ہوتی ہے۔ اور عیبۃ ایک مخصوص ظرف کا نام ہے جس میں انسان اپنی قیمتی اشیاء بغرض حفاظت رکھتا ہے۔

خطابیؒ معالم السنن میں فرماتے ہیں کہ:

''انصار کو کرش اور عیبہ سے مثال دینے میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس طرح معدہ انسان کی غذا کو جمع کرتا ہے اور انسان کی بقاء کا ضامن ہوتا ہے اسی طرح انصار نے اپنے شہر میں مجھے محفوظ کیا اور میری بقاء کے ضامن ہوئے۔

اسی طرح عیبہ کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انصار نے میری حفاظت اپنی قیمتی اشیاء کی طرح کی اور میری حفاظت کا حق ادا کیا۔'' غرضیکہ انصار وہ جماعت ہے جو میری مقرب اور بااعتماد جماعت ہے۔

جزیرہ العرب سے مشرکین کے اخراج کا حکم:

حضرت سعید بن جبیرؒ (جو بہت مشہور تابعی ہیں) سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

''جمعرات کا دن، آہ وہ جمعرات کا دن کیسا تھا؟ یہ ارشاد فرما کر رونے لگے اور اتنا روئے کہ ان کے آنسوؤں نے کنکریوں کو تر کر دیا، سعیدؒ بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ابن عباسؓ! کیسا جمعرات کا دن؟ اس روز کیا ہوا تھا؟

ابن عباسؓ نے فرمایا:

''اس روز رسول اللہ ﷺ کے مرض میں بہت اضافہ ہو گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس کاغذ لاؤ میں تمہارے لیے کوئی تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔'' اس پر لوگوں میں نزاع و اختلاف پیدا ہو گیا جبکہ نبی ﷺ کے دربار میں تنازع اور جھگڑا نا مناسب کام ہے۔ لوگ کہنے لگے کہ آپ ﷺ کو کیا ہوا؟ کیا آپ ﷺ پر غلبۂ مرض کے سبب بے حواسی طاری ہو گئی

ہے؟ آپ ﷺ سے وضاحت کرلو (یعنی اس بات کی وضاحت کرلو کہ آپ ﷺ کا کیا مقصود ہے؟)

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، بلاشبہ میں جس حال میں ہوں وہ اس سے زیادہ بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔''

بعدازاں آپ ﷺ نے تین باتوں کا حکم فرمایا:

1- ''مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دو۔''

2- وفود اگر آئیں تو ان کا ایسا ہی اکرام کیا کرو (تحائف وغیرہ دے کر) جس طرح میں ان کو تحائف وغیرہ دیا کرتا تھا۔''

راوی فرماتے ہیں کہ: تیسری بات یا تو آپ ﷺ نے ارشاد ہی نہیں فرمائی اور یا ارشاد تو فرمائی لیکن میں اس کو بھول گیا ہوں۔'' (رواہ البخاری)

سفیانؒ فرماتے ہیں کہ: یہ سلیمان (راوی) کا قول ہے۔ یعنی بعد کے راویوں میں سے کسی کا ہے نہ کہ سعید بن جبیرؒ کا۔

فائدہ: اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد کہ حضور ﷺ کے حکم پر صحابہؓ میں اختلاف رائے پیدا ہوگیا تھا۔'' اس سے کیا مراد ہے؟ شراح حدیث نے اس پر متعدد اقوال ذکر کئے ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ البتہ راجح اور مختار قول یہی ہے کہ یہ اختلاف رائے اس بات پر پیدا ہوا تھا کہ حضور ﷺ اس وقت مرض اور درد کی شدت میں مبتلا ہیں آپ ﷺ کو بولنے اور لکھوانے کی تکلیف دینا مناسب نہیں۔ جبکہ بعض دیگر حضرات کی رائے یہ تھی کہ جب حضور ﷺ نے ایک بات کا حکم فرمادیا تو اس پر بعینہٖ عمل واجب تھا اور اس میں تاخیر یا تطویل مناسب نہیں۔ غرض یہ اختلاف رائے حضراتِ صحابہؓ کے درمیان پیدا ہوگیا تھا۔ جس کو ابن عباسؓ نے نزاع سے تعبیر فرمایا۔ واللہ اعلم۔

مسجد کے تمام دروازے بند کرنے کا حکم:

حضرت ابو سعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے خطاب فرمایا اور اس میں ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا کہ چاہے تو دنیا کو اختیار کر لے اور چاہے تو رفیق اعلیٰ کو اختیار کر لے، اُس بندہ نے وہ چیز اختیار کر لی جو اللہ کے پاس ہے۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے، ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ حضور ﷺ تو ایک ایسے شخص کا ذکر فرما رہے ہیں جسے بارگاہ خداوندی سے اختیار دیا گیا تھا (اور ابوبکرؓ رو رہے ہیں؟) بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ اس بندہ سے مراد خود رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے اور حضرت ابوبکرؓ ہم میں سے سب سے زیادہ علم رکھنے والے سمجھدار ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سب لوگوں میں مجھ پر زیادہ احسان کرنے والے اپنے مال اور رفاقت کے اعتبار سے ابوبکرؓ ہیں۔ اور اگر میں کسی کو اپنا ایسا دوست بناتا جس کی یاد میرے دل میں اپنے رب سے زیادہ ہوتی تو میں ابوبکرؓ کو ہی ایسا دوست بناتا (لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی یاد سب سے بڑھ کر ہے لہٰذا اس کے سوا کسی کو میں نے اپنے دل میں نہیں بسایا) البتہ ان سے اسلامی اخوت اور محبت کا رشتہ قائم ہے۔ مسجد میں کسی کا دروازہ باقی نہ رکھا جائے سوائے ابوبکرؓ کے دروازہ کے۔''

(رواہ البخاری و مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس رشد و ہدایت میں شرکت کی ترغیب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے! تم میں سے بعض لوگوں کے اوپر ایسا دن بھی آنے والا ہے کہ وہ میرے دیدار سے محروم ہو جائے گا، پھر اُس کے لیے میری زیارت اور میرا دیدار اس کے گھر والوں اوراس کے مال دونوں سے زیادہ محبوب ہوگا۔''

فائدہ: حدیث مبارکہ کا مطلب واللہ اعلم۔ یہ ہے کہ اس وقت تو تم لوگوں کو میری رفاقت، معیت، میری صحبت اور میری مجالس میسر ہیں، تم جب چاہو میرا دیدار کر کے اپنی آنکھوں کو نور اور جلاء بخش سکتے ہو، جب چاہو میری صحبت اور میری مجلس میں بیٹھ کر اپنے قلب وذہن کی کشادگی اور سکون کا سامان کر سکتے ہو، جب چاہو میرے ارشادات سن کر اپنی دنیا وآخرت کی کامیابی کا ذخیرہ کر سکتے ہو۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ دن بھی آنے والا ہے جب تم میرے دیدار سے محروم ہو جاؤ گے، میری مجالس سے فیضاب نہ ہوسکو گے، میرے ارشادات و تعلیمات سننے کو تمہارے کان ترس جائیں گے۔ اس وقت تم میں سے ہر ایک کی خواہش ہوگی کہ اپنا مال اور اہل سب کچھ قربان کر کے میرا دیدار کر سکے لین ظاہر ہے یہ ممکن نہ ہوگا۔ لہٰذا جب تک میں تمہارے درمیان موجود ہوں، مجھ سے دین حاصل کرنے میں تساہل سے کام نہ لو۔

حدیث میں ''معہم'' کا جو لفظ ارشاد فرمایا ہے اس کے معنی کے متعلق مصنف نے دو اقوال ذکر کیے ہیں:

1- ابو اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ: میرے نزدیک معہم کا لفظ مقدم تھا۔ اور تقدیر عبارت یہ تھی:

''لأن يراني معهم أحبّ إليه'' جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اپنے گھر والوں کے ساتھ میرا دیدار کرے یہ اس کے نزدیک اپنے اہل وعیال اور مال سے زیادہ محبوب ہوگا۔

۲۔ قاضی عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں: اس کی تقدیری عبارت یہ ہے:

لأن يراني معهم أحب اليه من اهله وماله ثم لا يراني" جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نزدیک میرا دیدار کرنا اپنے اہل وعیال سے زیادہ محبوب ہوگا لیکن وہ میرا دیدار نہ کر سکے گا۔

بہرکیف! حدیث مبارکہ کا مقصود نبی علیہ السلام کی قیمتی مجالس کی حاضری، آپ ﷺ کی زیارت اور دیدار پر ترغیب دلانا ہے اور سفر و حضر میں آپ ﷺ کی رفاقت حاصل کر کے آپ ﷺ سے دین کے مسائل و تعلیمات سیکھنے اور آداب دین سے واقفیت حاصل کرنے کی فکر پیدا کرنے کا احساس دلانا ہے تا کہ آپ ﷺ کے بعد اس دین کی تبلیغ کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔ اور انہیں اس بات کا احساس دلانا ہے کہ اگر انہوں نے اس معاملہ میں کوتاہی کی تو بعد میں انہیں ندامت و پشیمانی کا احساس ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کا حضرت فاطمہؓ کو اپنی موت کی خبر دینا:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں ایک روز اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا اور ان کے کان میں کچھ سرگوشی کی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس کو سن کر رونے لگیں، آپ ﷺ نے انہیں دوبارہ اپنے قریب بلایا اور پھر دوبارہ کچھ سرگوشی کی، اس کو سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے حضرت فاطمہؓ سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

"پہلی بار رسول اللہ ﷺ نے مجھے چپکے سے بتلایا کہ وہ اپنے اسی مرض میں دنیا سے رخصت ہو جائیں گے، اس کو سن کر میں رونے لگی۔ بعدازاں دوسری بار سرگوشی کی تو مجھے بتلایا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ

ﷺ کے اہل وعیال میں سب سے پہلے آپ ﷺ سے جا ملوں گی (یعنی میرا انتقال سب سے پہلے ہوگا) تو میں ہنسنے لگی۔"

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ کو اپنی وفات کی خبر دینا:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بار (مرض الوفات میں) میں نے کہا: وارأساہ! (ہائے میرا سر!) (سر کے درد میں شدت کی بناء پر فرمایا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلکہ میں کہتا ہوں کہ وارأساہ! (شدت درد کی بناء پر) بے شک میرا ارادہ تھا کہ میں ابوبکرؓ اور ان کے بیٹے کو بلوا لیتا کہیں ایسا نہ ہو کہ باتیں بنانے والے باتیں بنائیں یا تمنا کرنے والے تمنا کریں، لیکن میں نے سوچا: (اور انہیں خلافت کی وصیت لکھ دیتا) اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہونے دیں گے اور مسلمان بھی ایسا نہیں ہونے دیں گے۔

اس حدیث میں حضور ﷺ کا اپنے مرض کی شدت کے اظہار کے ساتھ ہی اسی سیاق میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلوانے کا اظہار اس بات کا اشارہ تھا کہ آپ علیہ السلام کا وقت مقررہ قریب آ پہنچا تھا، تو گویا یہ ارشاد آپ ﷺ کی طرف سے اپنے نفس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وفات کی خبر اور اشارہ تھا۔ چنانچہ محدث کبیر بیہقیؒ نے اس حدیث کو ذکر کرنے سے قبل یہ عنوان قائم فرمایا:

"باب ماجاء فی اشارته صلی الله علیه وسلم الیٰ عائشةؓ فی ابتداء مرضه بمایشبه النعی" (دلائل النبوۃ للبیہقیؒ)

حضور اکرم ﷺ کا اپنے تمام صحابہؓ کو اپنے دنیا سے پردہ فرمانے کی خبر دینا:

"نبی اکرم ﷺ نے شہداء احد پر آٹھ برس کے بعد نماز پڑھی، گویا کہ آپ

زندوں اور مردوں دونوں کو رخصت فرما رہے ہوں۔ بعد ازاں آپ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا:

''میں تم سے آگے جانے والا ہوں، اور میں تمہارے اوپر گواہ ہوں گا، بے شک تم سے ملاقات حوضِ کوثر پر ہوگی، اور بلاشبہ میں حوضِ کوثر کو یہاں اپنی جگہ سے کھڑے کھڑے دیکھ رہا ہوں، مجھے تمہارے اوپر اس بات کا خدشہ نہیں کہ پھر سے شرک کرنے لگو گے، البتہ تمہارے متعلق دنیا کا خدشہ ہے کہ اس کی طلب میں تم ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔''

حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں کہ وہ آخری بار میں نے رسول اللہ ﷺ کا دیدار کیا تھا۔ (اس کے بعد کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے)

اسی طرح حضرت ابوسعید الخدریؓ کی وہ حدیث جو پیچھے گزر چکی ہے اس سے بھی آنحضرت ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کا وقت قریب آنے کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے مرض موت میں مسجد کے تمام دروازے بند کرنے کا حکم دیا سوائے صدیق اکبرؓ کے دروازے کے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بھی اسی تناظر میں دیکھی جائے جس میں آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو ترغیب دی تھی کہ آپ ﷺ کی زیادہ سے زیادہ مجالست و مصاحبت سے فائدہ اٹھالیں قبل اس کے کہ وہ اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہو جائیں۔

(یہ حدیث بھی پیچھے گزر چکی ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض وفات اور اس کے حالات

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''جب آنحضرت ﷺ پر بیماری کی شدت ہوگئی تو آپ ﷺ

پر غشی طاری ہونے لگی۔ آپ ﷺ کے مرض کی شدت کو دیکھ کر جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں:

ہائے میرے والد کی تکلیف! رسول اللہ ﷺ نے جواب میں (تسلی دیتے ہوئے) فرمایا:

''آج کے بعد تیرے باپ کا کرب ختم ہو جائے گا۔''

مرض کی ابتداء:

حضرت قاسم بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار سر میں درد کی بناء پر یہ فرمایا: ''ہائے میرا سر'' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(یعنی میں درد کی شدت سے مر ہی نہ جاؤں)

سنو! اگر ایسا ہو گا (یعنی تم میری زندگی میں ہی دنیا سے چلی گئیں تو میں تمہارے لیے مغفرت کی دعا کروں گا۔ اور تمہارے حق میں دعا کروں گا۔''

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ہائے میری ماں مجھے روئے (یہ جملہ شدتِ غم کے موقع پر بولا جاتا ہے) اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ آپ میرے مرنے کو پسند کرتے ہیں، اور اگر ایسا ہو گیا تو آپ تو اُسی دن ختم ہونے سے قبل اپنی کسی دوسری زوجہ کے ساتھ رات گزاریں گے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہائے میرا سر بے شک میں نے ارادہ کیا تھا کہ ابو بکرؓ اور ان کے بیٹے کو بلوا لوں (اور ان کے حق میں خلافت کی وصیت کر دوں) کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کہنے والے کہیں (خلافت دوسرے کو ملنی چاہیے) یا خلافت کے خواہشمند اس کی خواہش اور تمنا کریں۔ پھر میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہونے دے گا اور مسلمان بھی (حضرت ابو بکرؓ کے سوا کسی دوسرے کی خلافت پر) راضی نہیں ہوں گے۔''

یا فرمایا کہ: (یدفع اللّٰہ ویأبی المؤمنون)

آپ ﷺ نے اس حدیث میں اپنے مرض کے اظہار اور حضرت ابو بکرؓ کے بلانے کو ایک سیاق میں بیان فرما کر اشارہ اس بات کی طرف فرما دیا کہ اب آپ ﷺ کی وفات کا وقت قریب آ چکا ہے۔ گویا یہ آپ ﷺ کی جانب سے اپنی موت کی اطلاع تھی سیدہ عائشہؓ کو۔

نبی اکرم ﷺ کے مرض کی شدت جب پیدا ہوئی تو اس وقت آپ علیہ السلام حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں مقیم تھے۔ جب مرض کی شدت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا تو آپ ﷺ نے اپنی تمام ازواج مطہراتؓ سے اجازت طلب کی کہ وہ مرض کے یہ ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گزارنا چاہتے ہیں، چنانچہ تمام ازواج نے بخوشی اجازت دے دی۔ رسول اللہ ﷺ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں منتقل ہو گئے، اور حضرت فضلؓ بن عباس اور حضرت علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے سہارے سے اٹھ کر سیدہ عائشہؓ کے حجرۂ مطہرہ میں تشریف لے آئے۔ رسول اکرم ﷺ کے مرضِ وفات کی ابتداء اور اس کی مجموعی مدت کی تعیین میں مختلف روایتیں منقول ہیں۔

بعض حضرات کے قول کے مطابق آپ ﷺ کے مرض کی ابتداء یوم السبت (ہفتہ کے دن) سے ہوئی، جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ پیر کے روز سے ابتداء ہوئی۔ اسی طرح بعض حضرات کے نزدیک مرض وفات کی مجموعی مدت تیرہ یوم تھی۔ جبکہ بعض نے اس سے کم وبیش ایام بتلائے ہیں۔

ابن رجب حنبلیؒ کے مطابق:

> ''آپ ﷺ کی مرض کی ابتداء ماہ صفر کے اواخر میں ہوئی اور آپ ﷺ کے مرض کی کل مدت مشہور قول کے مطابق تیرہ دن تھی۔''

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

''اکثر حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ مدتِ مرض وفات تیرہ یوم تھی۔ لیکن بہرحال اس بارے ایسا راجح قول نہیں مل سکا جس سے اس اختلاف کا فیصلہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کو بہتر جانتے ہیں۔''

مرضِ وفات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دینار تقسیم فرمانا:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں ایک روز مجھے حکم فرمایا کہ ہمارے گھر میں جو سونے کے دینار رکھے ہیں وہ صدقہ کر دوں (میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض کی شدت کی وجہ سے پریشان تھی اس لیے حکم پر فوری عمل نہ کر سکی) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے ان دیناروں کا کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے مرض کی شدت کی وجہ سے میں مشغول ہو گئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''وہ سونا میرے پاس لاؤ۔'' چنانچہ وہ سات یا نو دینار (راوی کو شک ہے) لے کر آئیں۔ جب وہ لے کر آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا گمان ہے کہ وہ اپنے اللہ عزوجل سے اس حال میں ملے کہ یہ دینار اس کے پاس ہوں۔ اور یہ دینار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کیا باقی رہنے دیں گے جبکہ وہ اللہ عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اسکے قبضہ میں یہ دینار ہوں۔''

(حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مضمون کی ایک حدیث تفصیلاً سند صحیح کے ساتھ نقل کی گئی ہے)

قبروں کو سجدہ گاہ مت بناؤ:

جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو وفات سے صرف پانچ دن قبل یہ ارشاد فرماتے سنا:

''میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس بات سے بری ہوں کہ تم میں سے کسی کو اپنا خلیل (دوست) بناؤں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا، اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا

سنو! تم سے پچھلی امتوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا، خبردار! تم لوگ قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا، میں تم کو اس بات سے منع کرتا ہوں۔''

حضور علیہ السلام کے منہ مبارک میں دواء ڈالنے کا قصہ

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے مرضِ وفات میں آپ ﷺ کے منہ مبارک میں دوا ڈالنے کا ارادہ کیا، جب ہم دوا منہ مبارک میں ڈالنے لگے تو آپ ﷺ نے اشارہ سے ہمیں منع فرمانا شروع کر دیا کہ دوا منہ میں مت ڈالو، ہم نے اس ممانعت کو مریض کی دوا سے کراہیت اور بیزاری پر محمول کیا (اور آپ ﷺ کے منہ مبارک میں دوا ڈال دی) جب آپ ﷺ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں نے تمہیں لدود (دوا منہ میں ڈالنے سے) منع نہیں کیا تھا؟ ہم نے عرض کیا کہ (جی ہاں منع تو فرمایا تھا) لیکن ہم نے اسے اس بات پر محمول کیا کہ مریض کو دوا سے ایک طبعی بیزاری اور کراہیت ہوتی ہی ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

گھر میں کوئی فرد ایسا باقی نہ رہے کہ اسے میرے سامنے لدود نہ کیا جائے۔ (یعنی اس کے منہ میں بھی دوا ڈالی جائے) سوائے عباسؓ کے کہ وہ گھر میں ہونے کے باوجود دوا ڈالنے میں تمہارے ساتھ شریک نہ تھے۔" (رواہ البخاری ومسلم)

معوذات کا پڑھنا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا معمول شریف یہ تھا کہ جب کبھی آپ کو کوئی تکلیف ہوتی تو آپ معوذات پڑھ کر اپنے اوپر پھونک دیا کرتے تھے۔

جب مرض الوفات میں مرض کی شدت میں اضافہ ہو گیا تو آپ ﷺ کے اوپر معوذات پڑھا کرتی تھیں اور آپ ﷺ کے دستِ مبارک کو اپنے جسم پر برکت حاصل کرنے کی امید میں پھیرا کرتی تھیں۔ (بخاری)

معوذات یہ تین سورتیں ہیں: سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق، سورۃ الناس۔

حدیث میں لفظ "نفث" آیا ہے۔ جس کے معنی پھونکنے اور دم کرنے کے ہیں۔ نفث اصل میں کہا جاتا ہے بغیر تھوک کے پھونک مارنے کو، محدث کبیر زہریؒ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھوں پر پھونک مارا کرتے تھے اور پھر دونوں ہاتھ چہرۂ مبارک پر پھیر لیا کرتے تھے۔

قاضی عیاضؒ مالکی نے فرمایا کہ:

"نفث کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اُس رطوبت اور ہوا سے تبرک حاصل کیا جائے جس سے ذکر اور قرآن مس ہوا ہے جیسے کہ قرآن (اور دعائیں وغیرہ) لکھ کر ان کی دھوون (غسالہ) کو پی کر تبرک حاصل کیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات اس سے تفاؤل لیا جاتا ہے یعنی

نیک شگون لیا جاتا ہے کہ جس طرح وہ ذکر پڑھنے والے سے جدا ہوا ہے اسی طرح یہ مرض بھی مریض سے جدا ہو جائے گا۔“
(فتح الباری: ۱۰/ ۲۱۸)

سات مشکیزوں کے پانی سے غسل:

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

”جب رسول اللہ ﷺ کا مرض بڑھ گیا اور تکلیف کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا تو آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہراتؓ سے اجازت طلب کی کہ آپ ﷺ کی میرے حجرہ (گھر) میں تیمارداری کی جائے۔ چنانچہ تمام ازواجؓ نے اجازت دے دی۔ آپ ﷺ دو افراد کے سہارے باہر نکلے اور اس حالت میں کہ آپ ﷺ کے قدمین مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے، ان دو افراد میں سے ایک حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب تھے جبکہ دوسرے فرد کوئی دوسرے صاحب تھے۔

(پیچھے گزر چکا ہے کہ وہ دو حضرات حضرت فضلؓ بن عباس اور حضرت علیؓ تھے)

عبیداللہ (جو اس حدیث کو حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے اس بات کا ذکر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کیا کہ حضرت عائشہؓ نے دوسرے آدمی کا نام نہیں لیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”کیا تم جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص جس کا نام حضرت عائشہؓ نے نہیں لیا وہ کون تھے؟ میں نے عرض کیا نہیں! ابن عباسؓ نے فرمایا: وہ علیؓ بن ابی طالب تھے۔“

ام المومنین سیدہ عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مرض الوفات میں میرے حجرہ میں منتقل ہوئے تو آپ کا مرض شدت اختیار کر چکا تھا، آپ

ﷺ نے فرمایا:

''میرے اوپر سات ایسے مشکیزوں کا پانی بہاؤ جن کے منہ نہ کھولے گئے ہوں، شاید میں لوگوں کے پاس جا سکوں، چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کو ایک ٹب میں بٹھلا دیا جو حضرت حفصہ ؓ کا تھا، جو رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ؓ تھیں۔ پھر ہم نے آپ کے اوپر ان مشکیزوں سے پانی بہانا شروع کیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ شروع فرما دیا کہ اب تم اپنا کام کر چکی ہو، (پھر غسل فرما کر) آپ باہر لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔''

خطابیؒ (جو مشہور محدث ہیں) فرماتے ہیں کہ:

''ممکن ہے سات کے عدد کی تخصیص کا مقصد اس عدد سے تبرک حاصل کرنا ہو اس لیے کہ سات کا عدد شریعت کے بہت سے امور میں اور تخلیق کائنات کے بہت سارے معاملات میں کافی دخیل ہے۔

(فتح الباری)

اس حدیث مبارکہ میں ''لعلی اعھدالی الناس'' کے الفاظ وقت وفات کے قریب اور عمر شریف کے انتہا کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

ابوبکر ؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دینا:

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ ؒ فرماتے ہیں کہ:

''میں ایک مرتبہ حضرت عائشہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: کیا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کے مرض کے متعلق حدیث نہیں بتلائیں گی فرمایا کیوں نہیں؟ جب رسول اللہ ﷺ کی طبیعت مبارک بہت زیادہ بوجھل ہو گئی اور آپ ﷺ پر غشی

طاری ہوگئی تو اس اثناء میں ایک بار فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا نہیں! وہ آپ کے منتظر ہیں (کہ آپ شاید تشریف لے آئیں اور نماز پڑھائیں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے لیے ٹب میں پانی رکھ دو، فرماتی ہیں ہم نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے غسل فرمایا پھر غسل کے بعد اٹھنے لگے تو آپ ﷺ پر پھر غشی طاری ہوگئی، بعد ازاں جب اس غشی سے افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ ﷺ! وہ آپ کے منتظر ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

پھر میرے لیے برتن میں پانی رکھ دو، چنانچہ آپ ﷺ غسل کے لیے تشریف لے گئے اور بیٹھ کر غسل فرمایا۔ بعد ازاں (غسل سے فراغت پر) جب اٹھنے لگے تو پھر غشی طاری ہوگئی، پھر جب افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! نہیں وہ آپ کے منتظر ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا: میرے لیے برتن میں پانی رکھ دو، آپ ﷺ نے بیٹھ کر غسل فرمایا اور پھر جب اٹھنے لگے تو پھر بے ہوشی طاری ہوگئی، جب بے ہوشی ختم ہوئی اور افاقہ ہوا تو آپ نے پھر پوچھا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! نہیں وہ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں، لوگ مسجد میں عشاء کی نماز کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں۔

اس بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ جا کر لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضور ﷺ کے پیغام

رساں نے جا کر ابوبکرؓ کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام دیا کہ آپ ﷺ کا حکم ہے کہ آپؓ جا کر لوگوں کی امامت کا فریضہ انجام دیں۔ ابوبکرؓ نے جو بڑے رقیق القلب تھے۔ فرمایا کہ: اے عمر! آپ جا کر نماز پڑھائیں۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے فرمایا کہ: آپ اس منصب کے زیادہ حقدار ہیں۔

چنانچہ ان ایام میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نمازیں پڑھائیں۔ پھر انہی ایام میں ایک روز رسول اللہ ﷺ نے طبیعت میں کچھ خفت اور ہلکا پن محسوس کیا تو آپ دو افراد کے سہارے جن میں سے ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہما تھے نماز ظہر کے لیے باہر تشریف لائے، سیدنا ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، جب ابوبکرؓ نے آپ کو تشریف لاتے دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کے اشارہ سے انہیں حکم فرمایا کہ وہ پیچھے نہ ہٹیں، آپ ﷺ نے (سہارا دینے والے حضرات سے) فرمایا کہ مجھے ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھا دو، چنانچہ ان دونوں نے آپ ﷺ کو ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھا دیا اس کے بعد ابوبکر نماز پڑھتے رہے اور وہ نبی ﷺ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے جبکہ باقی سب لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔

عبیداللہ (جو اس حدیث کو حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں) فرماتے ہیں کہ پھر ایک روز میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ان سے عرض کیا کہ کیا میں آپ سے وہ حدیث بیان نہ کروں جو مجھے حضرت عائشہؓ نے نبی ﷺ کے مرضِ وفات کے متعلق بتلائی ہے؟ فرمایا کہ ہاں

بیان کرو۔ میں نے ان کی بیان کردہ ساری حدیث ابن عباسؓ سے بیان کر دی تو انہوں نے اس میں سے کسی بات کی نفی نہیں فرمائی۔ البتہ فقط اتنا کہا کہ کیا ام المؤمنینؓ نے اُن صاحب کا نام بھی لیا تھا جو حضرت عباسؓ کے ساتھ تھے؟

میں نے عرض کیا نہیں! فرمایا کہ وہ حضرت علیؓ تھے۔" (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عائشہؓ کا حضور ﷺ سے مکالمہ:

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور آپ ﷺ کے مرض کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔ آخر آپ ﷺ نے فرمایا: "ابوبکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" اس پر سیدہ عائشہؓ نے فرمایا کہ: وہ رقیق القلب آدمی ہیں، جب وہ آپ ﷺ کے مقام پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے، (جذبات کی شدت سے مغلوب ہو جائیں گے)

آپ ﷺ نے پھر وہی ارشاد فرمایا: "ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" سیدہ عائشہؓ نے پھر وہی بات دہرائی تو آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ تم خود جا کر ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تم عورتیں تو یوسف علیہ السلام کے مقابلہ پر آنے والی عورتیں ہو۔ پھر ابوبکرؓ کے پاس حضور ﷺ کا قاصد گیا، پھر انہوں نے نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں لوگوں کی امامت فرمائی۔"

(رواہ البخاری)

ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے مرض الوفات میں ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ کو میری طرف سے حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ سیدہ عائشہ رضی

اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ابوبکرؓ جب آپ ﷺ
کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو ان کی جانب سے سوائے
رونے کے کچھ سنائی نہ دے گا، لہٰذا آپ عمرؓ کو حکم فرمائیں کہ وہ
نماز پڑھائیں۔''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت حفصہؓ (بنت عمرؓ) سے کہا کہ تم حضور ﷺ سے عرض کرو کہ ابوبکرؓ جب آپ ﷺ کی جگہ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھائیں گے تو (جذبات کی شدت سے مغلوب ہو کر) لوگوں کو فقط رونے کی آواز سنائیں گے، لہٰذا عمرؓ کو حکم دیجئے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت حفصہؓ نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''پرے ہو! بے شک تم عورتیں تو یوسف علیہ السلام کے سامنے آنے
والی عورتیں ہو، ابوبکرؓ کو ہی حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔''
یہ سن کر حفصہؓ نے عائشہؓ سے کہا: ''مجھے تم سے کوئی بھلائی ملنے والی
نہیں۔''

علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ نے حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کہ: ''تم تو یوسف علیہ السلام کے سامنے آنے والی عورتوں کی مانند ہو'' کا مطلب یہ بتلایا ہے کہ: ''عورتوں کے اندر یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ حق کی راہ سے پھیرنے والی اور خواہشات کی اتباع کرنے والی ہوتی ہیں (جیسے کہ زلیخا کی سہیلیوں نے حضرت یوسفؑ کو بہکانے کی کوشش کی تھی) اور ایسی عورتیں ہمیشہ فتنہ کا باعث ہوتی ہیں جو عموماً باطل کی دعوت دیتی ہیں اور حق کی راہ سے روکنے والی ہوتی ہیں۔'' (الاستذکار لابن عبدالبر)

ابن عبدالبرؒ کے اس کلام سے یہ واضح ہو گیا کہ آپ کا یہ ارشاد مبارک اپنی ازواج پر غصہ کی حالت میں صادر ہوا تھا اور اس سے مقصود یہ نہیں تھا کہ ازواج مطہراتؓ ایسی ہیں کیونکہ وہ تو سب دین کے اعتبار سے کاملات اور فاضلات تھیں اور آپ کا مقصد ازواج کے سوا دیگر عورتوں کی جنس کی یہ صفت بتلانا تھا نہ کہ فقط ازواجؓ کو اس

صفت سے منسوب کرنا۔ واللہ اعلم۔

حضرت عائشہؓ کے انکار کا مقصد:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ:

"بے شک میں نے حضور ﷺ سے ان کے اس حکم پر بار بار مراجعت کی کہ آپ ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم نہ دیں۔ میری اس کثرتِ مراجعت کا سبب فقط یہ بات تھی کہ میرے دل میں یہ بات پیدا ہوتی تھی (میرا خیال تھا) کہ لوگ آپ ﷺ کے بعد آپ کے قائمقام اور جانشین ہونے والے سے کبھی محبت نہ کریں گے بلکہ اس کو نحس خیال کریں گے لہٰذا میں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ کو حکم دینے کے خیال سے دوسری طرف پھیر دوں۔"

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، ان دونوں نے فرمایا کہ:

"جب رسول اللہ ﷺ پر غشی طاری ہونا شروع ہوتی تو آپ ﷺ اپنی چادر کو اپنے چہرۂ انور پر پھیرنا شروع فرما دیتے اور جب اس سے گھٹن ہونے لگتی تو اسے ہٹا دیا کرتے تھے، آپ کا یہی حال تھا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔"

گویا آپ یہود و نصاریٰ کی اس حرکت سے اپنی امت کو باز رکھنے کے لیے تنبیہ فرما رہے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ:

"گویا آپ ﷺ کو علم ہو گیا تھا کہ اسی مرض میں آپ ﷺ دنیا

سے رخصت ہو جائیں گے تو آپ ﷺ کو یہ خدشہ تھا کہ جس طرح ماضی میں یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کی تعظیم کی اسی طرح آپ کی قبر اطہر کی بھی غلط تعظیم نہ کی جائے۔ اور یہ اشارہ تھا کہ انہوں نے جو کچھ کیا انتہائی مذموم حرکت تھی۔'' (فتح الباری)

یہ مضمون حضرت عائشہؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی ان احادیث کے علاوہ دیگر احادیث میں بھی ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عروہؓ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس مرض میں جس سے آپ دوبارہ کھڑے نہ ہو سکے فرمایا:
اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ پر لعنت فرمائے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔'' حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اگر یہ خدشہ ہوتا کہ آپ ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ بنایا جائے گا تو آپ ﷺ کی قبر اطہر ظاہر کی جاتی۔ یعنی عام قبرستان میں بنائی جاتی۔ (واللہ اعلم)

آنحضرت ﷺ کا کچھ لکھوانے کا ارادہ فرمانا اور اس میں تنازع کا پیدا ہو جانا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

''جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ ﷺ کے حجرۂ شریفہ میں کچھ افراد موجود تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قریب آؤ، (قلم کاغذ لے آؤ) میں تمہارے واسطے ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ اس کی موجودگی کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔

یہ سن کر بعض لوگوں نے کہا کہ: ''رسول اللہ ﷺ پر اس وقت تکلیف کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس (گمراہی سے بچنے کے لیے) قرآن کریم موجود ہے، ہمیں کتاب

اللہ کافی ہے (لہٰذا اس وقت حضور ﷺ کو یہ زحمت دینا مناسب نہیں) بعض روایات میں ہے کہ یہ بات حضرت عمرؓ نے فرمائی تھی۔ اب گھر کے اندر موجود افراد میں اختلافِ رائے پیدا ہو گیا، اور بات زور زور سے ہونے لگی، چنانچہ بعض تو یہ کہنے لگے کہ: حضور علیہ السلام کے قریب ہو جاؤ، حضور ﷺ تمہارے لیے ایسی تحریر لکھوا دیں گے کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے، جبکہ بعض اس کے علاوہ دوسری بات کہتے تھے، جب اس اختلافِ رائے میں شور و شغب اور اختلاف بہت زیادہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کھڑے ہو جاؤ! (یعنی یہاں نہ رہو)

عبید اللہ (راوی) کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''بے شک یہ (اختلاف) ایک بہت بڑی مصیبت تھی جو رسول اللہ ﷺ کے اور اس تحریر کے درمیان حائل ہو گئی تھی جو آپ ﷺ لکھوانا چاہتے تھے ان حضرات کے اختلاف اور شور و شغب کی وجہ سے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا:

> ''جمعرات کا دن! ہائے جمعرات کا دن کتنا ہی عجیب دن تھا، رسول اللہ ﷺ کے مرض میں اس دن شدت پیدا ہو گئی تھی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس کاغذ قلم وغیرہ) لاؤ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھوا دوں کہ اس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔''

اس پر وہاں موجود حضرات میں تنازع ہو گیا جبکہ نبی ﷺ کے سامنے نزاع کرنا مناسب نہ تھا۔ غرض لوگوں نے کہا، کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے یہ بات کیوں فرمائی؟ (اب بعض لوگ کہنے لگے کہ قلم اور دوات لے آؤ اور جو آپ ﷺ لکھوانا چاہتے ہیں وہ لکھ لو اور جو لوگ اس بات سے اختلاف کر رہے تھے ان سے کہا کیا بے پر کی کہہ رہے ہو؟ کیا تم آپ ﷺ کے متعلق یہ گمان کرتے ہو کہ (نعوذ باللہ) آپ مرض کی شدت سے مغلوب ہو کر بے سوچے سمجھے یہ بات کہہ رہے ہیں؟ (آپ ﷺ کے

متعلق ایسا تصور کرنا درست نہیں کیونکہ آپ ﷺ تو ہمیشہ حق بات ہی کہتے ہیں خواہ مرض ہو یا صحت) ایسا کرو آپ ﷺ سے براہ راست وضاحت چاہ لو، چنانچہ سب لوگ آپ ﷺ کے سامنے یہ بات دہرانے لگے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مجھے چھوڑ دو اس لیے کہ میں جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو'' (یعنی میرا اب کچھ نہ کہنا بہتر ہے کیونکہ تمہارے مابین اختلاف رائے کی وجہ سے مزید اختلاف کی صورت پیدا ہو سکتی ہے لہٰذا میں اب اس موضوع ہی کو ترک کرتا ہوں)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے تین وصیتیں فرمائیں:

(1) مشرکین کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دو (۲) وفود کا اسی بہتر طریقہ سے اکرام کرو جیسا کہ میں انہیں تحائف وغیرہ دے کر اکرام کیا کرتا تھا، راوی (سلیمان الدحول) فرماتے ہیں کہ تیسری وصیت کے بیان سے دوسرے راوی ابن جبیر رک گئے یا بھول گئے۔ (رواہ البخاری، مسلم، ابن حبان واحمد وغیرہم)

حدیث بالا سے متعلق چند ضروری مباحث:

محدثِ جلیل امام نووی ؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ:

> ''یہ بات جان لینا چاہیے کہ رسول اکرم ﷺ کذب، جھوٹ وغیرہ سے معصوم ہیں، اسی طرح صحت و مرض کسی بھی حال میں احکام شرعیہ کے اندر اپنی جانب سے کسی بھی قسم کی تبدیلی و تغییر سے بالکل معصوم ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ سے اس بات کا بھی احتمال نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوپر جن امور اور باتوں کا امت تک ابلاغ اور پہنچانا لازم قرار دیا ہے اور جن امور کا بیان کرنا آپ کے فرائض نبوت میں داخل ہے اس میں آپ کوئی کمی کریں گے، اس سے بھی آپ بالکل معصوم ہیں۔''

البتہ جسمانی عوارض، بیماریوں اور امراض سے معصوم نہیں ہیں۔ لیکن اس سے معصوم نہ ہونے سے آپ کی شان میں کوئی نقص یا کمی لازم نہیں آتی، اور نہ ہی اس کی وجہ سے احکامِ شرع میں کسی فساد کے پیدا ہونے کا کوئی امکان ہے، چنانچہ امر واقعہ ہے کہ حضور ﷺ پر سحر (جادو) کیا گیا اور آپ کی حالت یہ ہوگئی کہ آپ کے خیال میں کوئی کام آپ نے کرلیا ہوتا تھا لیکن حقیقتاً وہ فعل آپ نے نہ کیا ہوتا تھا۔

لیکن اس بیماری اور جسمانی عوارض کی حالت میں بھی آپ ﷺ سے کوئی مخالف شریعت امر صادر نہ ہوتا تھا اور نہ ہی ایسا کوئی حکم زبانِ مبارک سے نکلتا تھا جو آپ کے سابقہ احکام کے خلاف ہو۔ (لہٰذا اب اس بات کا تو کوئی مسلمان تصور ہی نہیں کرسکتا کہ آپ علیہ السلام اس بیماری میں جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے اور اس کے لیے کاغذ قلم وغیرہ طلب فرمایا تھا اس میں کوئی احکامات شرعیہ میں تبدیلی مقصود تھی) البتہ علماء امت نے اس تحریر لکھوانے کے حکم سے متعلق مختلف باتیں نقل فرمائی ہیں، چنانچہ بعض نے فرمایا کہ:

(۱) حضور ﷺ خلافت کے متعلق تحریر کروانا چاہتے تھے کہ کسی متعین فرد کے حق میں خلافت کی تحریر لکھوادیں تاکہ بعد میں کوئی نزاع واقع نہ ہو۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ ایسی تحریر لکھوانا چاہتے تھے جس میں تمام احکاماتِ شرعیہ کا خلاصہ اور نچوڑ جمع ہو جائے اور ان احکام میں نزاع ختم ہو جائے۔ تمام صحابہؓ کا منصوص علیہ اتفاق ہو جائے۔ ابتداءً حضور ﷺ کی رائے یہی تھی یا یہ کہ بذریعہ وحی آپ کو حکم ہوا تھا کہ تحریر لکھوائیں۔ اسی لیے آپ ﷺ نے قلم کاغذ طلب فرمایا تھا لیکن بعد میں آپ نے تحریر لکھوانے کو مصلحت کے خلاف سمجھا یا وحی کے ذریعہ آپ کو روک دیا گیا تو آپ ﷺ نے وہ ارادہ منسوخ کردیا (چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کے دریافت کرنے کے باوجود وہ تحریر نہیں لکھوائی)

جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا: ''حسبنا کتاب اللّٰہ'' ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے، اس وقت حضور ﷺ کو

تحریر کروانے میں لگانا حضور ﷺ کو تکلیف کا سبب ہوگا تو اس کے متعلق علماء کرام نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد ان کی فقاہت وبصیرت، ان کے کمال علم وفضل اور دقت نظر پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ انہیں یہ خدشہ ہوا تھا کہ ممکن ہے آپ ایسے امور تحریر کروائیں جن پر عملدرآمد بعض اوقات ممکن نہ رہے۔ اور چونکہ وہ حکم منصوص ہو چکا ہوگا لہٰذا اس کے ترک کرنے کی گنجائش نہ ہوگی لہٰذا کہیں لوگ اس کے ترک کی وجہ سے سزا کے مستحق نہ ہو جائیں۔ کیونکہ نصوص میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اس لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا: "حسبنا کتاب الله" یعنی ہمیں اللہ کی کتاب تمام امور میں رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ خود باری تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿مافرّطنافی الکتاب..........﴾ (الانعام)

''ہم نے کتاب میں کوئی بات نہیں چھوڑی۔''

اسی طرح ارشاد فرمایا:

﴿الیوم أکملت لکم دینکم﴾ (المائدہ)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔''

ان آیات وارشاداتِ ربانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل کر دیا ہے اور امت کے گمراہی پر جمع ہونے کا کوئی خطرہ نہیں، لہٰذا حضرت عمرؓ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اس حالت میں حضور علیہ السلام کو لکھوانے کی زحمت میں نہ ڈالا جائے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ فقاہت وفہم دین میں حضرت ابن عباسؓ اور ان کے موافقین سے برتر تھے۔

خطابیؒ نے فرمایا کہ:

''حضرت عمرؓ کے اس قول سے یہ مطلب نکالنا کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ آپ کچھ غلط بات کہیں گے یا آپ ﷺ کے متعلق ایسی بات کا انہوں نے گمان کیا ہوگا جو آپ کی شانِ نبوت کے مناسب نہ ہوگی یہ درست نہیں۔''

بلکہ صورتحال یہ تھی کہ جب حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ پر مرض کی شدت اور نزع کے وقت کی قربت دیکھی اور آپ ﷺ کے شدید کرب و تکلیف کا مشاہدہ کیا تو انہیں یہ خدشہ ہوا کہ اس کرب کی شدت میں آپ علیہ السلام ایسی کوئی بات ارشاد نہ فرما دیں جس میں عزیمت نہ ہو یعنی وہ آپ ﷺ کی پختہ رائے نہ ہو جیسا کہ عموماً مریضوں سے ایسی حالت میں اس طرح کی باتیں صادر ہو جاتی ہیں۔ اور پھر بعد میں منافقین آپ ﷺ کی اس بات کو دین میں کسی حکم میں تخفیف و تساہل کی راہ پا کر کلام کرنے لگیں۔ جبکہ آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ حضور ﷺ سے بعض امور میں اختلاف رائے کرتے تھے لیکن فقط اس وقت تک جب تک کہ آپ ﷺ کی طرف سے اُس کام پر آپ کا پختہ عزم و ارادہ ظاہر نہ ہو جائے، جیسا کہ حدیبیہ کے مقام پر معاہدۂ صلح لکھنے کے موقع پر صحابہؓ کی مختلف رائے سامنے آئیں۔ لیکن جب حضور ﷺ کسی کام پر پُرعزم ہو جاتے اور پختہ عزم فرما لیا کرتے تو پھر صحابہؓ میں سے کوئی بھی اس رائے کی تبدیلی کے لیے مراجعت نہ کیا کرتا تھا۔''

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ:

قرطبیؒ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ''ائتونی'' امر کا صیغہ ہے اور مأمور پر لازم ہے کہ وہ تعمیل حکم کرے لیکن اس واقعہ میں حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھ صحابہؓ کی ایک جماعت کی رائے یہ ہوئی کہ یہاں امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ یہ اس قبیل سے ہے کہ زیادہ بہتر بات کی طرف رہنمائی کے لیے یہ ارشاد ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ آپ علیہ السلام کو اس حالت مرض و تکلیف میں ایسی بات کی تکلیف دیں جو آپ ﷺ کو مزید مشقت میں ڈال دے، جبکہ ان حضرات کے سامنے حق تعالیٰ جل

شانہٗ کا یہ ارشاد بھی تھا:

﴿ما فرطنا في الكتاب من شئی﴾ (الانعام)

یہ ارشاد ربانی بھی ان کے پیش نظر تھا:

﴿تبیاناً لكل شئی﴾ (النحل)

"یعنی یہ قرآن کریم ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ اس بناء پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا:

﴿حسبنا کتاب اللہ﴾

جبکہ دوسری جماعت کی رائے یہ ہوئی تھی کہ حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپ ﷺ سے لکھوا لینا چاہیے کیونکہ اس میں معاملہ کی وضاحت ہو جائے گی، اور یہی زیادہ بہتر ہے۔ اور حضور ﷺ کا بعد میں یہ فرمانا کہ تم لوگ یہاں سے اٹھ جاؤ، اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کا پہلا ارشاد یعنی تحریر لکھوانے سے متعلق حکم اختیاری تھا، کیونکہ اس واقعہ کے بعد بھی حضور ﷺ چند دن بقید حیات رہے لیکن آپ ﷺ نے پھر دوبارہ اس کا حکم نہیں دیا، لہٰذا اگر وہ تحریر لکھوانا کوئی واجب شرعی تھا تو یہ ممکن نہ تھا کہ آپ ﷺ صحابہؓ کے اختلاف رائے کی بناء پر اس کو ترک کر دیتے اس لیے کہ آپ ﷺ کی شانِ نبوت تو یہ تھی کہ آپ ﷺ نے بڑے سے بڑے مخالف کی مخالفت کے باوجود فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی ترک نہیں فرمائی۔ (اور صحابہؓ کا آپ ﷺ کی رائے سے اختلاف کا یہ پہلا واقعہ نہیں تھا) بلکہ صحابہؓ بعض امور میں آپ ﷺ کو اپنی رائے پر نظر ثانی کا مشورہ دیتے تھے لیکن جب آپ ﷺ کسی کام پر جزم اور پختہ ارادہ فرما لیا کرتے تھے تو اس سے اختلاف رائے کی بجائے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کیا کرتے تھے۔ (گویا یہ سارا واقعہ حضرت عمرؓ کے موافقات میں شامل ہے)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اُس تحریر کی مراد میں اختلاف اقوال ہے۔ چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ ایسی تحریر لکھوا دیں جس میں احکام منصوص طریقہ پر جمع ہو جائیں تا کہ ان میں اختلاف ختم ہو جائے۔

جبکہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ آپ ایک ایسی تحریر لکھوانا چاہ رہے تھے جس میں اپنے بعد کے خلفاء کے اسماء لکھوا دیتے تاکہ بعد میں اس معاملہ پر ان کے مابین اختلاف نہ ہو۔ سفیان بن عینیہؒ کا یہی قول ہے۔ اس کی تائید حضور ﷺ کے اُس ارشاد سے بھی ہوتی ہے جو آپ ﷺ نے مرض وفات کے اوائل میں حضرت عائشہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ:

''میرے پاس اپنے باپ (ابوبکرؓ) اور بھائی کو بلاؤ، تاکہ میں ان کے لیے تحریر لکھ دوں، کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ بعد میں کوئی (خلافت کا) متمنی اس کی تمنا نہ کرنے لگے یا مانگنے والا خلافت کا سوال نہ کر بیٹھے، (لیکن پھر میں نے سوچا کہ) اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان ابوبکرؓ کے علاوہ ہر ایک کو رد کر دیں گے۔'' (مسلم)

مسند احمدؒ بن حنبل میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہٗ کی ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ میں آپ کی خدمت میں وہ کاغذ لاؤں جس میں آپ ﷺ وہ باتیں لکھوا دیں کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کی امت گمراہ نہ ہو، فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں آپ ﷺ کی روح (اس دوران میری غیر حاضری میں) قبض نہ ہو جائے اس لیے میں نے عرض کیا کہ میں ان امور کو یاد کرلوں گا اور محفوظ کرلوں گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں وصیت کرتا ہوں نماز اور زکوٰۃ کی اور تمہارے مملوک غلاموں (کے حق میں بہتر سلوک) کی۔''

یہی روایت ابن سعد نے طبقات میں بھی کچھ تفصیل کے ساتھ نقل کی ہے لیکن اس میں نعیم بن یزید راوی مجہول ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ سے مسند کے علاوہ بھی

دوسری کتب میں مختلف الفاظ کے ساتھ یہ مضمون منقول ہے۔ لیکن کہیں پر بھی حضرت علیؓ نے ایسی بات ذکر نہیں فرمائی جو اس عذر کو قطع کرتی ہو جسے حضرت عمرؓ نے عذر قرار دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جس تحریر کے لکھوانے کا ارادہ فرمایا تھا اس کے متعلق حضرت عمرؓ کے عذر کے خلاف حضرت علیؓ سے کوئی بات منقول نہیں اگر چہ اقرب یہی کہ آپ ﷺ اس تحریر میں اپنے بعد خلافت کے حقدار کے لیے لکھوانا چاہتے تھے اور آپ کا مقصد اس تحریر سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے متعلق ہی لکھوانا تھا اور انہیں لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دینا تھا اور بہت سی روایات اس کی مؤید ہیں۔

روافض لعنھم اللہ نے اس واقعہ پر بہت زیادہ کلام کیا ہے اور نہایت جاہلانہ طریقہ سے حضرات شیخینؓ کے خلاف زبانِ طعن دراز کرنے کی مذموم و ناپاک جسارت کی ہے۔ لیکن ان کے قدم اس معاملہ میں بھی لغزش کا شکار ہو گئے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل سنت کو اور تمام مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی شہرۂ آفاق تاریخ ''البدایۃ والنہایۃ'' میں اس حوالہ سے فرماتے ہیں:

''اس حدیث سے بعض جہلاء خصوصاً غالی قسم کے شیعہ حضرات کو یہ وہم ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس تحریر میں وہ کچھ لکھوانا چاہ رہے تھے جو ان (جہلاء) کی چاہت تھی اور جس کی طرف وہ اپنی تحریروں میں اشارات کرتے ہیں (یعنی حضرت علیؓ کی خلافت کے حق میں تحریر ان جہلاء کا یہ فعل درحقیقت محکم کو چھوڑ کر متشابہ سے دلیل پکڑنے اور اس سے اپنے غلط اور باطل خیالات کی ترویج کا کام لینے کے مترادف ہے۔

جبکہ اہل سنت والجماعۃ ہمیشہ محکم پر (قرآنی ارشاد کے بموجب) عمل کرتے ہیں اور متشابہات کو چھوڑ دیتے ہیں، اور رسوخ فی العلم رکھنے والے حضرات کا یہی طریقہ ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں ان کی یہی صفت بیان فرمائی ہے۔ جبکہ اس مقام پر اکثر گمراہ لوگ گمراہی کا شکار ہو گئے۔ البتہ اہل سنت کا تو مذہب ہی یہ ہے کہ حق کی اتباع کی جائے جہاں پر بھی حق جائے وہیں وہ بھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔

جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوانے کا

ارادہ فرمایا تھا تو اس سے کیا مراد ہے؟ اس کی تصریح صحیح حدیث میں کی گئی ہے جو اس معاملہ پر سے پردہ اٹھاتی ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

''ابن ابی ملیکہؒ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا جب رسول اللہ ﷺ کا مرض الوفات شروع ہوا تو اس مرض میں (ایک بار) آپ ﷺ نے فرمایا:

''ابوبکرؓ اور ان کے بیٹے کو بلاؤ (تاکہ تحریر لکھ لی جائے) کہیں کوئی خلافت کا حریص ابوبکرؓ (کی خلافت) کے معاملے میں طمع نہ کرے اور کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرنے لگے، بعد ازاں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو رد فرما دیں گے اور اہل ایمان بھی (یعنی ایسا نہیں ہونے دیں گے کہ ابوبکرؓ کے علاوہ کوئی دوسرا خلافت پر فائز ہو) اور یہ جملہ آپ ﷺ نے دوبار ارشاد فرمایا:

چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اور اہل ایمان نے بھی اس کو رد کر دیا (اور ابوبکرؓ ہی خلیفہ مقرر ہوئے)۔ (اس روایت میں امام احمدؒ منفرد ہیں)

اسی طرح امام احمدؒ نے ایک اور حدیث نقل کی ہے:

فرماتے ہیں کہ: ابن ملیکہؒ نے عائشہؓ سے نقل کیا انہوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کی بیماری زور پکڑ گئی تو آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے فرمایا: ''میرے پاس کاغذ یا تختی وغیرہ لاؤ تاکہ میں ابوبکرؓ کے حق میں تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد کوئی اس سے اختلاف نہ کرے'' جب عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر اٹھنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان اس بات کو رد کر دیں گے کہ آپ کے اوپر اے ابوبکر کوئی اختلاف کرے۔'' حضرت عبادہؓ بن صامت فرماتے ہیں کہ:

''(ایک بار رمضان المبارک میں) رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس باہر تشریف لائے تاکہ ہمیں لیلۃ القدر کے بارے میں خبر دیں۔ اسی اثناء میں دو مسلمان آپس میں جھگڑ

پڑے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں لیلۃ القدر کے بارے میں خبر دینے کے لیے باہر آیا تھا، لیکن فلاں اور فلاں آپس میں لڑنے لگے تو لیلۃ القدر کی تعیین اٹھالی گئی، اور شاید یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، لہٰذا اب اسے تلاش کرو سات نو اور پانچ میں۔''
(یعنی 25، 27، اور 29ویں شب میں) (رواہ البخاری)

جبکہ مسلم میں یہی مضمون حضرت ابوسعید الخدریؓ سے منقول ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! بے شک میرے لیے لیلۃ القدر کی تعیین کر دی گئی تھی اور میں تم کو اس کے بارے میں بتلانے کے لیے باہر آیا تو دو آدمی ایک دوسرے سے حق کا مطالبہ کرتے ہوئے اور شیطان ان کے ساتھ تھا، پس مجھ سے اس کی تعیین بھلا دی گئی، لو اب تم اس (لیلۃ القدر) کی تلاش رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں کیا کرو۔''

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

''قاضی عیاض مالکیؒ نے فرمایا: ''اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ آپس کا جھگڑا نہایت مذموم چیز ہے اور یہ سزا یعنی نعمت سے محرومی کا سبب ہے۔''

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''اس مضمون میں اشارہ ہے اُس مقولہ کی طرف کہ جھگڑا کرنا فائدہ کے منقطع ہونے اور علم نافع کے زائل ہونے کا سبب ہے۔''

گویا حضور علیہ السلام کے سامنے اختلاف رائے کا اظہار حضور ﷺ کی تحریر سے محرومی کا ذریعہ بن گیا۔

حضور علیہ السلام کو دنیا و آخرت کے متعلق اختیار ملنا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''نبی اکرم ﷺ صحت کی حالت میں فرمایا کرتے تھے کہ: بلاشبہ کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی تا آنکہ جنت میں ان کا مقام نہ دکھلا دیا جائے، پھر انہیں اختیار دیا جاتا ہے'' (کہ دنیا میں مزید حیات کے خواہش مند ہیں تو دنیا کی زندگی اختیار کر لیں اور آخرت کے اور اپنے رب سے ملاقات کے خواہش مند ہیں تو آخرت کو اختیار کر لیں)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: جب آپ ﷺ کو مرض الموت لاحق ہوا تو آپ کا سرِ مبارک میری ران پر تھا، آپ ﷺ پر غشی طاری ہوگئی، جب اس سے افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے اپنی نگاہ گھر کی چھت کی طرف اٹھائی اور فرمایا: اے اللہ! رفیق اعلیٰ کا انتخاب کرتا ہوں۔ میں نے فوراً کہا کہ اب آپ ہمیں اختیار نہ کریں گے، یعنی آپ کا یہ جملہ بتلا رہا ہے کہ آپ اب دنیا کو اختیار نہیں فرمائیں گے بلکہ رفیق اعلیٰ کو منتخب فرمائیں گے، اور میں نے جان لیا کہ آپ ﷺ نے جو بات ہمیں بیان کی تھی (تخییر والی) وہ بالکل صحیح تھی۔

ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ: آپ نے جو آخری کلام فرمایا وہ یہی تھا: ''اللهم الرفيق الأعلى.''

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

''میں سنا کرتی تھی کہ کسی نبی کو موت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تاوقتیکہ ان کو اختیار دے دیا جائے دنیا و آخرت کے درمیان، پھر میں نے نبی اکرم ﷺ کو آپ کے مرض الوفات میں یہ فرماتے ہوئے سنا اور اس وقت آپ ﷺ کی آواز بھاری ہو چکی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿مع الذين انعم الله عليهم﴾ (النساء)

''یعنی ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام فرمایا۔''

پس میں نے جان لیا کہ آپ ﷺ کو اس وقت اختیار دیا گیا تھا۔ (تو آپ ﷺ نے انبیاء کی رفاقت کو اختیار فرمایا تھا)۔

ایک دوسری روایت میں سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا تھا کہ: کوئی نبی بیمار نہیں ہوتا (مرض الموت میں) مگر یہ کہ اسے دنیا و آخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے۔'' آپ ﷺ کے مرض الموت میں آپ کی آواز سخت بھاری ہوگئی تھی، میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

﴿مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ﴾

پس میں نے جان لیا کہ آپ کو اختیار دیا گیا ہے۔

ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے ایک بار لوگوں سے خطاب فرمایا اور اس میں ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو دنیا اور جو کچھ اُس (اللہ) کے پاس ہے (آخرت) کے مابین اختیار دیا تو اس بندہ نے وہ کچھ اختیار کرلیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے (آخرت کو)'' یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، ہمیں ان کے رونے سے بڑا تعجب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ تو ایک بندہ کے اختیار کا ذکر فرما رہے ہیں (اس میں رونے کی کیا بات ہے بعد میں معلوم ہوا کہ) بندہ سے مراد خود رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے انہیں ہی اختیار دیا گیا تھا (جسے سن

کر ابوبکرؓ رونے لگے تھے اور ان پر حضور ﷺ کی جدائی کا تصور کر
کے گریہ طاری ہو گیا تھا) ابوبکرؓ ہم میں سب سے زیادہ سمجھدار اور
صاحب علم تھے۔"

حضور علیہ السلام کا حجرۂ مبارکہ سے باہر جھانکنا:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

(مرض الوفات میں) ایک روز رسول اللہ ﷺ نے پردہ ہٹایا تو لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز کی صف بنائے کھڑے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! بے شک نبوت کے مبشرات میں سے سوائے رؤیائے صالحہ (سچے خوابوں) کے کچھ باقی نہیں رہا۔ وہ سچے خواب جنہیں ایک مسلمان دیکھتا ہے یا اُسے دکھائے جاتے ہیں سنو! مجھے رکوع یا سجدہ کی حالت میں قرآن کی تلاوت سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا رکوع میں تو اللہ عزوجل کی تعظیم کیا کرو، (سبحان ربی العظیم جیسے کلمات کہہ کر) اور سجدوں میں دعا مانگنے میں محنت کیا کرو، تو یہ قبولیت کے زیادہ قریب اور مستحق ہے۔"

عمر مبارک کے آخری روز (جس روز یہ آفتاب رسالت و ماہتاب نبوت ﷺ ۶۳ برس تک اپنی ضیا پاشیوں سے روئے زمین کو منور کر کے دار فنا سے دار بقا اور رفیق اعلیٰ کی طرف سفر فرمانے والا تھا) آپ ﷺ نے اپنے حجرہ سے لوگوں پر نظر ڈالی، لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے صف بنائے کھڑے تھے، آپ ﷺ نے حجرۂ شریفہ کا پردہ ہٹایا اور لوگوں کو دیکھنے لگے، آپ ﷺ کھڑے ہوئے تھے اور چہرۂ مبارک گویا قرآن مقدس کا ورق تھا۔ پھر آپ نے تبسم فرمایا اور مسکرائے، (حضور ﷺ کی مسکراہٹ دیکھ کر) لوگوں کا خوشی کے مارے یہ حال ہو گیا کہ قریب تھا کہ وہ آپ ﷺ کی زیارت کی خوشی سے نماز توڑنے کے قریب ہو جاتے۔ حضرت ابوبکرؓ الٹے قدموں پیچھے ہونے لگے تاکہ پچھلی صف میں پہنچ جائیں، اُن کا خیال تھا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے باہر تشریف لا رہے ہیں۔ نبی ﷺ نے انہیں اشارہ سے فرمایا کہ اپنی نماز پوری کر لو،

پھر پردہ لٹکایا اور اسی دن آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے۔

حضور ﷺ کی طرف سے اپنے صحابہ کو یہ آخری دیدار کروانا تھا، یہ الوداعی دیدار تھا، اس کے بعد آپ ﷺ نے پردہ لٹکایا تاکہ دار الفناء کی کلفتوں سے دار البقاء کی جنات اور نعمتوں کی طرف آپ کا سفر شروع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمارا حشر اپنے محبوب ﷺ اور اپنے دیگر انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ فرمادے۔ آمین۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مضمون الفاظ کے کسی قدر فرق کے ساتھ منقول ہے۔ بہر کیف! آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم پر الوداعی نظر ڈال کر اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت واقتداء میں دیکھ کر اطمینان وسکون کے ساتھ اپنے رب سے ملاقات اور رفیق اعلیٰ سے وصل کے لیے آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے اور اسی روز دنیا سے پردہ فرمالیا۔

صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً

وفات کے وقت مسواک کرنا:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے، نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، آپ ﷺ اس وقت حیات مبارکہ کے آخری لمحات گن رہے تھے، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینے سے سہارا لیے ہوئے پایا، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں مسواک تھی، رسول اللہ ﷺ نے مسواک کی طرف دیکھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ ﷺ مسواک کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ سے مسواک لی اور نبی ﷺ کے لیے اُسے نرم کیا اور آپ کو تھمادی، آپ ﷺ نے بہترین طریقہ سے مسواک کی، ابھی آپ مسواک کر کے فارغ بھی نہ ہو پائے تھے کہ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے تین بار فرمایا:

''رفیق اعلیٰ میں''۔ اور فوراً ہی روح مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

(رواہ البخاری)

آخری کلمات:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ صحت کی حالت میں فرمایا کرتے تھے کہ:

کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی جب تک کہ انہیں جنت میں ان کا ٹھکانہ نہ دکھا دیا جائے اور پھر انہیں اختیار دے دیا جائے جب آپ ﷺ پر نزع کی شدت شروع ہوئی تو آپ ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا اسی دوران آپ ﷺ پر غشی طاری ہوگئی، جب اس سے افاقہ ہوا تو نظریں گھر کی چھت کی طرف اٹھائیں اور فرمایا: اے اللہ! رفیق اعلیٰ (چاہتا ہوں) میں نے فوراً کہا کہ اب آپ ہمیں (دنیا کی زندگی کو) اختیار نہیں کریں گے، اور میں نے جان لیا کہ وہ بات جو آپ ﷺ ہم سے بیان کرتے تھے ٹھیک تھی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کا آخری کلمہ جو زبانِ مبارک سے ادا ہوا یہی تھا: اللهم الرفيق الأعلىٰ۔

حضرت عائشہؓ سے دوسری روایت میں مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے انتقال سے قبل آپ کی طرف کان لگائے، آپ ﷺ اس وقت حضرت عائشہؓ کی پشت سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے:

﴿اللّٰهم اغفرلي وارحمني والحقني بالرفيق﴾ (بخاری، مسلم)

حضرت عائشہؓ سے تیسری روایت مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے مسواک کرنے کا ذکر فرمایا پھر فرمایا: آپ ﷺ کے دست مبارک میں پانی کی ایک شیشی تھی، آپ ﷺ اپنے ہاتھ پانی میں ڈالتے اور دونوں ہاتھ چہرۂ انور پر پھیرتے اور فرماتے:

''لا الٰہ الاّ اللّٰہ، بے شک موت کے لیے سکرات ہیں۔'' بعد ازاں آپ

ﷺ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور فرمانے لگے: فـي الـرفيق الأعلى'' یہاں تک کہ روح مبارک پرواز کر گئی اور آپ کا ہاتھ مبارک نیچے گر گیا۔ (رواہ البخاری)

آنحضرت ﷺ کے مرض کی شدت وتکلیف:

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ:

''میں نے مرض اور بیماری کی جو شدت رسول اللہ ﷺ پر دیکھی آپ سے زیادہ کسی میں نہیں دیکھی۔''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ:

''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ شدید بخار میں پھنک رہے تھے، میں نے اپنے ہاتھ سے آپ ﷺ کے جسم مبارک کو چھوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو تو شدید بخار ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اتنا بخار ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو (مجموعی طور پر) ہو۔ میں نے عرض کیا کہ اس کی وجہ سے آپ ﷺ کو اجر وثواب بھی دہرا ہوگا، فرمایا: ہاں! اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اسے کوئی تکلیف، مرض وغیرہ لاحق ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسکے گناہوں کو گرا دیتا ہے جیسا کہ درخت اپنے پتے (سردی یا خزاں کے موسم میں) گرا دیتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا اس حال میں انتقال ہوا کہ آپ میرے پیٹ اور ٹھوڑی کے درمیان تھے (یعنی میری گود میں سر مبارک رکھے ہوئے تھے) آپ ﷺ کے بعد میں کسی کی موت کی سختیوں سے نہیں پریشان ہوئی۔'' (یعنی جتنی شدت اور موت کی سختی میں نے آپ ﷺ کے اوپر دیکھی ہے اس کے بعد اب کسی کی موت کی سختی پر مجھ پر کوئی پریشانی نہیں ہوتی)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موت کی سختی پیش آنے کا کیا مقصد ہے؟

ان احادیث سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موت کی شدت کا سامنا کرنا پڑا تھا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے محبوب ترین پیغمبر تھے، اس کے باوجود موت کی شدت پیش آنا کس وجہ سے ہے؟ علماء نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں اپنے پاس بلانا چاہتا تھا کہ ان کے درجات نہایت بلند ہوں، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کو بلند کرنے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت بڑھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موت کی شدت کی گئی چنانچہ ابن مسعودؓ کی روایت میں بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس تکلیف کی وجہ سے دو افراد کا ثواب مل رہا تھا۔ تو یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراتب کو مزید بلند کرنے اور درجات کو بڑھانے کے لیے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عمر مبارک کا اختتام حج، استغفار اور دیگر اعمال صالحہ کی تکمیل پر کیا گیا۔

موت کے سکرات (شدت) کا بیان:

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ:

''مجھ پر یہ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک انعام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات میرے گھر میں ہوئی میری باری کے دن ہوئی اور میری ہی گود میں ہوئی۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے انتقال کے وقت میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھوک کو جمع کر دیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ عبدالرحمٰن (میرے بھائی) میرے پاس آئے ان کے ہاتھ میں مسواک تھی، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سہارا دیئے ہوئے تھی، میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسواک کی طرف دیکھ رہے ہیں، میں نے جان لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسواک کرنے کی خواہش ہورہی ہے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کیا مسواک لے لوں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر کے اشارہ سے فرمایا ہاں! پس میں نے مسواک لے کر اسے نرم کیا (منہ سے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے لے کر دانتوں پر پھیرنا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں اس وقت ایک بوتل بھی تھی شیشہ کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں

ہاتھ مبارک پانی میں ڈالتے اور اپنے چہرۂ انور پر پھیر لیتے اور یہ فرماتے جاتے:

لا الٰہ اللہ۔ بے شک موت کی سختیاں ہیں، پھر آپ نے اپنا ہاتھ کھڑا کر لیا اور فرمانے لگے:

فی الرفیق الاعلیٰ۔ یہ کہتے رہے یہاں تک کہ روح مبارک قبض ہوگئی اور آپ کا دست مبارک نیچے کو گر گیا۔

روحِ مبارک کا اپنے رب سے ملاقات کے لیے سفر:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اکرم ﷺ اپنے مرض الوفات میں دریافت کیا کرتے تھے کہ کل میں کہاں ہوں گا؟ کل میں کہاں ہوں گا؟ گویا آپ حضرت عائشہؓ کی باری کے دن کا انتظار کرتے تھے، تو آپ ﷺ کی ازواجؓ نے آپ ﷺ کو اجازت دے دی کہ جہاں چاہیں رہیں، چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ وفات تک حضرت عائشہؓ کے گھر پر ہی رہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی وفات اسی روز ہوئی جس روز میری باری تھی یعنی وہ میری باری کا بھی دن تھا اور میرے ہی گھر میں آپ ہوتے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح مبارک اس حال میں قبض فرمائی کہ آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا، آپ ﷺ کا لعاب مبارک میرے لعاب سے مل گیا تھا۔

اسی اثناء میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ (میرے بھائی) داخل ہوئے تو ان کے پاس مسواک تھی جسے وہ دانتوں میں چلا رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا تو میں نے ان سے کہا: اے عبدالرحمٰن! یہ مسواک مجھے دو، انہوں نے مجھے دے دی تو میں نے اسے منہ سے چبایا، اسے نرم کیا اور اسے رسول اللہ ﷺ کو دے دیا، آپ ﷺ نے میرے سہارے بیٹھے بیٹھے مسواک فرمائی۔

حضرت عائشہؓ سے یہی مضمون الفاظ کی کمی وبیشی کے ساتھ دوسری سند سے بھی منقول ہے۔

ایک اور روایت میں سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ۔ آپ ﷺ نے اس حالت میں اتنے اچھے طریقہ سے مسواک کی کہ کبھی اتنے اچھے طریقہ سے مسواک نہ کی تھی۔ اور ابھی آپ ﷺ اس سے فارغ ہو کر ہاتھ بھی نہ اٹھا پائے تھے کہ آپ ﷺ نے تین بار فی الرفیق الاعلیٰ[1] فرمایا اور انتقال فرما گئے۔

وفات کے بعد یمنی چادر سے آپ ﷺ کے جسم اطہر کو ڈھانپنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''آنحضرت ﷺ کو وفات کے بعد حبرہ کی چادر سے (جو یمن کی بہترین چادروں میں سے ہوتی تھی) ڈھانپ دیا گیا۔''

بخاری کی روایت میں ہے کہ:

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے مکان سے جو سنخ میں تھا گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے اور سواری سے اتر کر سیدھے مسجد میں تشریف لے گئے، کسی سے کوئی بات نہیں کی، بعد ازاں حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور حضور اکرم ﷺ کے پاس جانے لگے، آنحضرت ﷺ کو یمنی چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا، ابوبکرؓ نے چہرۂ اطہر سے کپڑا ہٹایا، آپ ﷺ پر جھکے اور آپ ﷺ کو بوسہ دیا اور رونے لگے پھر فرمایا:

''اے اللہ کے نبی ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اظہار رنج وغم:

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ:

''جب رسول اکرم ﷺ کی بیماری زور پکڑ گئی تو آپ ﷺ پر غشی طاری ہونے لگی۔ حضرت فاطمہؓ نے آپ ﷺ کی تکلیف کی شدت دیکھ کر فرمایا: ہائے میرے والد کی تکلیف و مشقت!

رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''آج کے بعد تیرے باپ کا یہ کرب و مشقت کا دور ختم ہو جائے گا۔''

جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا:

''اے میرے ابا جان! اپنے رب کے بلاوے کو قبول کرنے والے،
اے ابا جان! جنت الفردوس آپ کا ٹھکانہ ہو، اے میرے ابا جان!
ہم جبرئیل علیہ السلام کو آپ ﷺ کی موت کی خبر دیتے ہیں۔''

ابو بکرؓ کا آپ ﷺ کو بوسہ دینا اور آپ ﷺ کو رخصت کرنا:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

(رسول اکرم ﷺ کی وفات کی خبر سن کر) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے مکان سے جو سخ میں تھا تشریف لائے اور سواری سے اتر کر بغیر کسی سے بات کیے سیدھے مسجد میں تشریف لے گئے، اور پھر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف جانے لگے، آپ ﷺ کو یمنی چادر سے ڈھانپا گیا تھا، ابوبکرؓ نے چہرۂ انور سے چادر ہٹائی اور پیشانی پر جھک کر آپ ﷺ کو بوسہ دیا اور رونے لگے، پھر فرمایا:

''اے اللہ کے نبی ﷺ! اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں ہرگز جمع نہیں فرمائے گا، البتہ جو موت آپ کے لیے مقدر تھی اس سے آپ ہم کنار ہو چکے ہیں۔''

غرض! یہ ابوبکرؓ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو آخری بوسہ تھا اور آپ ﷺ کا آخری دیدار تھا۔

وفات کہاں ہوئی؟

احادیث سابقہ اور متعدد احادیث سے یہ بات تو طے ہے کہ آنحضرت ﷺ کا انتقال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو آپ ﷺ کی محبوب اور چہیتی زوجہ

مطہرہؓ تھیں کے گھر اور ان کے حجرہ میں ہوا اور اس حال میں ہوا کہ آپ ﷺ ان کے سہارے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ گویا آپ ﷺ کی وفات کا مکان و مقام سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ اور ان کی گود تھی۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ:

> ''میں نے نبی اکرم ﷺ کو اپنے سینے سے سہارا دیا ہوا تھا، آپ ﷺ نے پانی کا طشت منگوایا اور اس کی طرف جھکے اور اسی دوران آپ ﷺ کی روح مبارک قبض کر لی گئی اور مجھ کو پتہ بھی نہ چلا۔''
>
> (رواہ البخاری و مسلم)

سببِ مرض:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ''ایک یہودی عورت نبی اکرم ﷺ کے لیے بکری کا گوشت لائی لیکن وہ زہر میں بجھا ہوا تھا آپ نے (معلوم نہ ہونے کی بناء پر) اسے کھا لیا، آپ سے بعد میں پوچھا گیا کہ ہم اسے قتل نہ کر دیں؟ (یعنی اس عورت کے اقدام قتل کی بناء پر اسے مار ڈالیں) آپ ﷺ نے منع فرمایا دیا (کیونکہ آپ کی عادتِ شریفہ تھی کہ اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا کرتے تھے)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ:

> ''میں نے اسکے بعد ہمیشہ اس زہر کا اثر آنحضرت ﷺ کے حلق کے اندر پایا۔'' (رواہ البخاری، مسلم وابوداؤد)

حضرت انسؓ کے اس ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ وہ زہر اپنا اثر آپ کے منہ میں چھوڑ گیا تھا اور اس کے اثرات دوسروں کو محسوس بھی ہوتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''جب خیبر فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ کو ایک بکری ہدیہ کی گئی اس کو زہر آلود کیا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہاں قرب و جوار میں جو بھی یہود بستے ہوں انہیں یہاں جمع کرو، چنانچہ ان کو جمع کیا گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:
میں تم سے کچھ پوچھوں گا، کیا تم مجھے سچ سچ جواب دو گے؟ انہوں نے کہا جی ہاں اے ابوالقاسم! رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تمہارے باپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا فلاں شخص ہمارا باپ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے جھوٹ بولا، بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے وہ کہنے لگے کہ آپ نے سچ کہا اور ٹھیک کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم مجھے سچ سچ جواب دو گے اگر میں تم سے کچھ سوال کروں تو؟ وہ کہنے لگے جی ہاں اے ابوالقاسم! اور اگر ہم آپ ﷺ سے جھوٹ بولیں گے تو آپ ﷺ ہمارے کذب اور جھوٹ کو اسی طرح جان لیں گے جس طرح آپ ﷺ نے ہمارے جھوٹ کو باپ کے بارے میں جان لیا تھا۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اچھا بتاؤ اہل جہنم کون ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ ہم (یہود) تو تھوڑے وقت کے لیے جہنم میں ہوں گے پھر اس کے بعد (مسلمان) ہمارے پیچھے اس میں داخل ہوں گے۔
رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اسی میں ذلیل ہو کر پڑے رہو، اللہ کی قسم! ہم کبھی بھی جہنم میں تمہاری جگہ نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ اگر میں تم سے کچھ پوچھوں تو کیا تم مجھے سچ سچ بتاؤ گے؟ وہ کہنے لگے جی ہاں! آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟

انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے یہ کام کس وجہ سے کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ

”ہمارا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ ﷺ جھوٹے ہیں تو ہمیں آپ ﷺ سے نجات و راحت حاصل ہو جائے گی اور اگر آپ ﷺ واقعی نبی ہیں تو یہ زہر آپ ﷺ کو نقصان نہیں دے گا۔“

(رواہ البخاری والبیہقی)

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”نبی ﷺ اپنے مرض وفات میں فرمایا کرتے تھے کہ: اے عائشہ! میں نے خیبر میں جو کھانا کھایا تھا ہمیشہ اس کا درد اور تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں اور اب یہ وقت آ گیا ہے کہ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس زہر خورانی کے سبب میری انتڑیاں کٹنے لگی ہیں۔“

(رواہ البخاری تعلیقاً)

محدثِ جلیل ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ:

”پس رسول اللہ ﷺ کو شہادت کی موت نصیب ہوئی۔“ جبکہ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں:

”(حضور ﷺ کے انتقال کے بعد) مسلمان یہی خیال کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کی موت سے سرفراز فرمایا ہے باوجود اس مرتبہ و شرف کے جو نبوت کے ذریعہ سے آپ کو اللہ نے عطا فرمایا۔“

مؤقر عربی مجلہ (المجلة العربیہ) کے چیف ایڈیٹر نے اپنی اشاعت کے تیسرے سال کے تیسرے عدد میں قدیم ارمنی زبان کے مخطوطات پر ایک تحقیق نقل کی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو زہر دینے کا یہ معاملہ یہودی سرداروں کا

متفقہ فیصلہ تھا، اور ایک قرارداد کے ذریعہ طے پایا تھا چنانچہ وہ دستاویز کہتی ہے:

''کہا جاتا ہے کہ: یہودی امت عیسائیوں سے حسد کرتی تھی، جب محمد (ﷺ) تشریف لائے اور ان کا معاملہ بہت بڑھ گیا تو یہودی روساء اور سردار جمع ہوئے اور انہوں نے باہم یہ طے کیا کہ ''ہم محمد ﷺ سے جا کر مل جائیں گے، اس طرح ہم عیسائیوں اور ان کی انجیلوں پر غالب آجائیں گے۔''

لیکن جب مسلمانوں کو اپنے دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی اور بڑی عظیم فتوحات مسلمانوں نے حاصل کرنا شروع کیں تو انہوں نے یہود کو بالکل نظر انداز کر دیا اور انہیں کوئی اہمیت و وزن نہ دیا، بلکہ بعض اوقات ان سے بھی قتال پر مجبور ہو گئے، چنانچہ یہودی سردار پھر جمع ہوئے اور اس بات پر غور و فکر کے لیے ایک اجتماع منعقد کیا کہ محمد (ﷺ) سے کیسے نجات حاصل کی جائے۔ آخر کار انہوں نے اپنی عورتوں میں سے ایک خوبصورت نوجوان دوشیزہ کا انتخاب کیا اور اس سے کہا کہ: تم کسی طرح محمد (ﷺ) کو کھانے کی دعوت پر بلاؤ اور انہیں (نعوذ باللہ) قتل کر دو، چنانچہ اس عورت نے اپنے سرداروں کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا۔''

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو زہر دینے کا یہ معاملہ یہودیوں کا اجتماعی اور مشورہ سے طے شدہ معاملہ تھا جس سے یہود کے خبثِ باطن اور کینہ پروری واضح ہے۔ **لعنھم اللہ۔**

محدثِ جلیل امام بیہقیؒ نے اپنی عظیم الشان کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں ایک باب کا عنوان یہی قائم کیا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات شہادت کی موت تھی۔ اور اس کے تحت وہ احادیث لائے ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو اپنے مرض کی ابتداء میں کچھ اشارے ایسے دیئے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کا وقت واپسیں اب قریب آپہنچا ہے۔ (یہ حدیث پیچھے ''حضرت عائشہؓ کو موت کی خبر دینا'' کے عنوان کے تحت گزر چکی ہے)

اس کے علاوہ امام بیہقیؒ ایک اور روایت لائے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ کو اپنے مرض وفات میں خیبر میں کھائے گئے زہر آلود گوشت کے اثرات کے پائے جانے کے متعلق بتلایا (یہ حدیث بھی اسی عنوان کے تحت اوپر گزری ہے۔)

امام بیہقیؒ نے اس باب کا اختتام صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''اگر میں نو بار یہ حلف اٹھاؤں کہ رسول اللہ ﷺ شہادت کی موت سے سرفراز ہوئے ہیں (انہیں قتل کیا گیا ہے) تو یہ حلف اٹھانا میرے لیے زیادہ قابل قبول ہے اس بات سے کہ میں فقط ایک بار یہ حلف اٹھاؤں کہ آپ ﷺ قتل نہیں کیے گئے۔''

آنحضرت ﷺ کا سانحۂ وصال اور مسلمانوں کا کڑا اور عظیم امتحان:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو اس وقت ابوبکرؓ اپنے مکان پر جو سخ میں تھا میں تھے، (سخ عوالی مدینہ میں ایک جگہ کا نام ہے) ادھر مسجد نبوی ﷺ میں عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر (کچھ عرصہ گزرنے پر) حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ: ''خدا کی قسم! میرے دل میں اس وقت اس کے علاوہ کوئی بات آئی ہی نہ تھی۔'' (کہ آپ ﷺ کا انتقال نہیں ہوسکتا) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور دوبارہ بھیجیں گے اور پھر مردوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں گے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کا انتقال ہوگیا تو لوگ (شدت غم سے) رونے

لگے، حضرت عمرؓ مسجد میں کھڑے ہو گئے اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''میں ہرگز کسی کو یہ کہتے ہوئے نہ سنوں کہ: محمد ﷺ انتقال فرما گئے ہیں، بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) آپ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ بھیجا گیا ہے جس طرح موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا تھا اور پھر انہوں نے (موسیٰ) نے اپنی قوم سے (غائب ہو کر) چالیس راتیں (طور پر) قیام کر کے گزاری تھیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے جو آپ ﷺ کی موت کے دعویدار ہیں۔'' (طبقات ابن سعد: ۲/۲۰۴)

(حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا ارشادات شدت رنج وغم کی وجہ سے دل و دماغ کے ماؤف ہونے کا مظہر ہیں اور اس کیفیت میں انہوں نے یہ کلمات کہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''پھر حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ کے چہرۂ انور سے کپڑا اٹھایا اور آپ ﷺ کو بوسہ دیا، پھر فرمایا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ ﷺ نے زندگی بھی پاکیزہ گزاری اور آپ ﷺ کی موت بھی پاکیزہ ہوئی'' پھر ابوبکرؓ باہر تشریف لائے اور (حضرت عمرؓ کو خطاب کر کے) فرمایا: اے قسم کھانے والے! ٹھہر جایئے! جب ابوبکرؓ نے یہ بات کہی تو حضرت عمرؓ بیٹھ گئے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا:

''سنو! جو کوئی محمد (ﷺ) کی بندگی کیا کرتا تھا تو (وہ جان لے کہ) محمد ﷺ انتقال فرما چکے ہیں، اور جو کوئی اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی کیا کرتا تھا تو وہ یاد رکھے بے شک اللہ عزوجل

زندہ ہے اسے موت کبھی نہیں آئے گی، پھر قرآن کریم کی یہ آیت شریفہ تلاوت کی:

﴿اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ﴾

''بے شک آپ پر بھی موت آنے والی ہے اور وہ (کفار) بھی مرنے والے ہیں۔''

اور: (وما محمدٌ الاّ رسولٌ.......... الایۃ) پڑھی۔ یعنی:

''اور محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں، ہو چکے ان سے پہلے بہت سے رسول، پھر کیا اگر وہ انتقال کر گئے یا شہید کر دیئے گئے تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو۔''

یہ آیات شریفہ سن کر لوگ بڑے درد و رنج کے ساتھ رونے لگے۔

(یہاں مصنف نے ''نشیج'' کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کے معنی اصحاب لغت نے یہ کیے ہیں: وہ رونا جس میں آواز کے ساتھ ساتھ اندر کے درد کا اظہار بھی ہو جیسے بچہ تکلیف کی وجہ سے روتا ہے اور اس کے سینے میں سے ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔''

(لسان العرب لابن منظور)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے، حضرت عمرؓ لوگوں سے بات کر رہے تھے، ابوبکرؓ نے فرمایا کہ بیٹھ جایئے، انہوں نے انکار کیا، ابوبکرؓ نے پھر فرمایا بیٹھ جایئے، انہوں نے پھر انکار کیا (کیونکہ شدت غم کی وجہ سے غلبہ حال کی کیفیت تھی) ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شہادتین یعنی خطبہ وغیرہ پڑھا تو لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور عمرؓ کو چھوڑ دیا، ابوبکرؓ نے فرمایا:

''اما بعد! پس جو کوئی تم میں سے محمد (ﷺ) کی عبادت کیا کرتا

تھا تو (وہ جان لے کہ) بے شک محمد (ﷺ) انتقال فرما چکے ہیں، اور جو کوئی اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی کیا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ حی ہے اسے موت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ومامحمد الا رسول..........الآیۃ"

ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! لوگوں کا یہ آیت سنکر حال یہ تھا کہ گویا وہ جانتے ہی نہ تھے کہ قرآن میں یہ آیت بھی نازل ہوئی ہے ابوبکرؓ کی تلاوت سے پہلے، اور انہوں نے ابوبکرؓ سے وہ حاصل کر لی پھر کوئی انسان ایسا نہ تھا جو اس کی تلاوت نہ کر رہا ہو۔"

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں "کتاب الجنائز" میں یہ روایت نقل کی ہے اور اسے پھر "کتاب المغازی" میں ابن شہاب زہریؒ سے نقل کیا ہے کہ ان کو سعیدؒ بن المسیب نے بتلایا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! وہ آیت (**وما محمد الا رسول**) میرے ذہن سے بالکل محو تھی یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ سے میں نے اسے سنا، اسے سن کر گویا میرے پاؤں کاٹ ڈالے گئے، میری ٹانگوں نے کام کرنا چھوڑ دیا اور میں زمین پر گر گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ نبی ﷺ بلاشبہ انتقال فرما چکے ہیں۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"ان دونوں حضرات (یعنی حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما) کے خطبے سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بہت نفع پہنچایا، بلاشبہ عمرؓ نے لوگوں کو ڈرایا، کچھ لوگ (جو حال ہی مسلمان ہوئے تھے) نفاق کی طرف مائل تھے، عمرؓ کی تقریر اور ان کے ارشادات کے ذریعہ سے اللہ نے ان لوگوں کو دین کی طرف لوٹا دیا۔ پھر ان کے بعد ابوبکرؓ نے لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھائی اور ان پر جو سانحہ گزرا تھا اس میں ان کے لیے حق وسلامتی کی جو راہ تھی اسے بتلایا، چنانچہ لوگ قرآن کریم کی آیت: **وما محمد الا رسول**........ **الآیۃ** تلاوت کرتے ہوئے نکلے۔ (رواہ البخاری)

جب رسول اللہ ﷺ کے انتقال کا دوسرا دن ہوا تو حضرت عمرؓ منبر پر بیٹھ گئے اور حمد و ثناء کرتے رہے، اس دوران حضرت ابوبکرؓ بالکل ساکت رہے اور کوئی بات نہ کی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

''مجھے یہ امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ ابھی زندہ رہیں گے یہاں تک کہ ہم سب سے آخر میں دنیا سے رخصت ہوں گے، لیکن آنحضرت ﷺ کا وصال ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ایک نور (قرآن) چھوڑا ہے جس کے ذریعہ سے تم بھی ہدایت کی روشنی اور نور اس طرح حاصل کر سکتے ہو جس طرح آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے ہدایت کا نور عطا فرمایا تھا، بلاشبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ساتھی ہیں، غار کے رفیقوں میں دوسرے ہیں (ثانی اثنین ہیں) بلاشبہ وہی تمہارے تمام امور کی ولایت کے زیادہ حقدار ہیں، لہٰذا اٹھو اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرو اور اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلسل ابوبکرؓ سے اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ وہ منبر پر چڑھے اور لوگوں نے ان سے عمومی بیعت کی۔'' (رواہ البخاری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے اپنے اس خطبہ میں فرمایا:

''میں نے تم سے جو بات کل کہی تھی (کہ آنحضرت ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے) وہ اس طرح نہ تھی جیسے میں نے کہی، اللہ کی قسم! یہ بات میں نے نہ تو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پائی ہے نہ اس عہد میں جن کی پاسداری کا عہد مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے لیا تھا، البتہ مجھے یہ امید اور خوش گمانی تھی کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے بعد تک زندہ رہیں گے، یعنی آپ ﷺ کی وفات ہم

سب سے آخر میں ہوگی، پس اللہ جل وعلا نے اپنے رسول کے لیے
وہ چیز (جنت) پسند فرمائی جو اس کے پاس ہے بہ نسبت اس چیز کے
جو تمہارے پاس ہے (یعنی دنیا کے) لہٰذا یہ اللہ کی کتاب ہے جس
کے ذریعے اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت کا چراغ بنایا، پس
اس کو اچھی طرح تھام لو تم بھی اسی طرح ہدایت پاؤ گے جس طرح
اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت سے سرفراز فرمایا تھا۔"

اوپر ذکر کردہ سارے حالات اس بات کے غماز ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا سانحۂ وفات مسلمانوں پر کیسی عظیم مصیبت اور جاں گداز حادثہ تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے اُس روز آنحضرت ﷺ کا دیدار کیا جس دن آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے، پس میں نے اس دن سے زیادہ روشن اور حسین دن کبھی نہیں دیکھا جس دن رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے اور جس دن آپ ﷺ کا سانحۂ وفات ہوا اس روز بھی آپ ﷺ کا دیدار کیا، میں نے اس دن سے زیادہ برا اور تاریک دن کوئی نہیں دیکھا جس دن رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا۔" (رواہ الدارمی والحاکم والبیہقی)

اسی طرح حضرت انس بن مالکؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ:

"جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کی تشریف آوری کے سبب ہر چیز روشن ہوگئی اور جس دن آپ ﷺ کا وصال ہوا ہر چیز تاریک ہوگئی، اور ہم آپ ﷺ کی تدفین میں مشغول تھے، اور ابھی آپ ﷺ کے دفن سے ہاتھ بھی نہ اٹھائے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں کو بدلا ہوا پایا۔" (رواہ ابن سعد فی طبقات، دلائل النبوۃ/بیہقی)

جسد اطہر ﷺ کی تدفین سے قبل خلیفہ کا چناؤ:

کتاب کی ابتدا میں ہم یہ بات نقل کر چکے ہیں کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد جسد اطہر کی تدفین سے بھی قبل ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی تھی، یہ بیعت سقیفہ بنی ساعدہ میں پیر کے روز ہوئی تھی جس دن رسول اللہ ﷺ کی وفات بھی ہوئی تھی، جبکہ آپ کی تدفین یوم الثلاثاء یعنی منگل کے روز ہوئی، اسی دن ابوبکر رضی اللہ عنہ، کے ہاتھ پر عمومی بیعت بھی ہوئی۔

علماء نے حضراتِ صحابہؓ کے اس طرزِ عمل سے یہ استدلال کیا ہے کہ عمومی خلافت واجب ہے اور یہ دین کے بنیادی معاملات میں سے ہے، جبکہ متعدد علماء نے اس کے وجوب پر اجماع کا قول کیا ہے، چنانچہ ابن حجر الہیثمیؒ فرماتے ہیں:

> ''جان لو کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ زمانۂ نبوت کے گزرنے کے بعد امام (خلیفہ) کا تقرر واجب ہے، بلکہ انہوں نے اسے اہم ترین واجبات میں قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تدفین سے بھی قبل اس امر کی تکمیل میں مشغول ہو گئے تھے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کی بقاء، لوگوں کی جان و اموال کی حفاظت ایسے حاکم کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے جس کی علی العموم اطاعت کی جائے، جیسا کہ امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ:

> ''اس کی (فوری تقرر خلیفہ کی) وجہ یہ ہے کہ اگر اسی حالت پر دوام رہے اور کسی دوسرے مطاع حاکم اور خلیفہ کے تقرر کی کارروائی نہ ہو تو قتل و غارتگری بڑھتی رہے گی، تلواریں چلتی رہیں گے، قحط سالی عام ہو جائے گی، مویشی ہلاک ہوتے رہیں گے۔ کارخانے اور صنعتیں ٹھپ ہو جائیں گی، اور ایسی حالت میں جو بھی ملغوب ہو

جائے گا وہ گرفتار کر لیا جائے گا، اور وہ اگر زندہ بھی رہا تو دین، عبادت اور علم کی تحصیل و تدریس کے لیے فارغ نہ ہو سکے گا، اور عوام کی اکثریت تلواروں کے سائے میں ہلاک ہو جائے گی اسی لیے کہا گیا ہے کہ: دین اساس ہے اور سلطان اس اساس کا محافظ ہے، اور جس عمارت کی کوئی اساس نہ ہو وہ منہدم ہو جاتی ہے اور جس عمارت کا کوئی محافظ و نگران نہ ہو وہ ضائع ہو جاتی ہے۔''

(الوجیز فی فقہ الخلافۃ)

لہٰذا صحابہؓ کا یہ عمل ان کی عظیم الشان فقہی بصیرت اور دقتِ نظر اور وسعتِ فہم و دانش مندی کا مظہر ہے۔ اس لیے کہ اگر اس معاملہ کو یونہی چھوڑ دیا جاتا اور کسی حاکم کا انتخاب نہ ہو پاتا جو لوگوں کی قیادت کرے اور ان کو سنت کی محترم پناہ گاہ کے اندر لے جائے تو (روئے زمین میں فساد پھیل جاتا) اور ہر طرح کی عبادت گاہیں، کنیسا، اور مساجد جن میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے معطل ہو جاتیں اور شہروں کے شہر اور بندگانِ خدا ضائع ہو جاتے، قتل و غارت گری کی کثرت ہو جاتی، طوائف الملوکی پھیل جاتی، لہٰذا ان تمام مفاسد کا اندیشہ اس بات کا مقتضی تھا کہ ایسے حاکم اور سلطان کا انتخاب کر لیا جائے جو لوگوں کی سرزنش بھی کر سکے، اور جو آیاتِ ربانی اور وعیدوں سے خوف نہ کھائے تو اسے ٹھیک بھی کر سکے۔

آنحضرت ﷺ کی تدفین کا حال:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''میں (اپنے والد) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (کے مرض وفات میں) کے پاس داخل ہوئی تو انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ: تم

نے رسول اللہ ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تین سحولی سفید کپڑوں میں، ان میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا،

ابو بکرؓ نے ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ کا انتقال کس دن ہوا؟ انہوں نے فرمایا پیر کے دن، پھر ابو بکرؓ نے پوچھا آج کون سا دن ہے، انہوں نے عرض کیا پیر کا ہی دن ہے، ابو بکرؓ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ میرے اور رات کے مابین (موت حائل ہو جائے گی)۔ یعنی رات سے قبل میری موت کا وقت آ جائے گا۔ پھر انہوں نے اپنے ان کپڑوں کو دیکھا جو پہنے ہوئے تھے اور انہی میں ان کی تیمارداری اور مرض کے ایام گزرے تھے، اور اس میں جگہ جگہ زعفران کے نشانات اور دھبے بھی تھے، ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میرا یہ کپڑا دھو دو اور مزید دو کپڑوں کا اور اضافہ کر دینا اور اسی میں مجھے دفنا دینا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ: یہ تو بہت پرانے ہو گئے ہیں۔ فرمایا: بلاشبہ زندہ مردہ کی بہ نسبت نئے کپڑوں کا زیادہ مستحق ہے (لہٰذا میرے واسطے نئے کفن کی ضرورت نہیں)

چنانچہ اسی روز منگل کی رات شروع ہونے سے قبل ہی (پیر کی شام میں) انتقال فرما گئے اور اگلی صبح سے قبل تدفین عمل میں آئی۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ:

"مسلمان پیر کے روز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت میں فجر کی نماز ادا کر رہے تھے کہ اچانک رسول اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کا پردہ ہٹایا اور مسلمانوں کی طرف نگاہ اٹھائی، وہ صف باندھے کھڑے تھے، آنحضرت ﷺ نے مسکراہٹ آمیز تبسم فرمایا، ابو بکر رضی اللہ عنہ اُلٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگے اور انہیں یہ گمان ہوا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے باہر تشریف لا رہے ہیں، مسلمانوں کا آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر خوشی سے وہ حال ہوا کہ قریب تھا کہ وہ نماز توڑ دیتے لیکن آپ ﷺ نے اشارہ

فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو، پھر آپ ﷺ حجرۂ شریفہ میں تشریف لے گئے اور پردہ لٹکا دیا اور اسی روز انتقال فرما گئے۔ (رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت میں منقول ہے انہوں نے فرمایا:

''نبی اکرم ﷺ تین روز تک باہر تشریف نہ لائے، ایک روز نماز کھڑی ہو چکی تھی اور ابوبکرؓ آگے بڑھ رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ پردہ کے ساتھ کھڑے ہوئے اور پردہ اٹھا دیا، جب رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور نمایاں ہوا تو ہم نے وہ منظر دیکھا کہ اس سے زیادہ خوش کن اور جانفزا منظر اس سے پہلے ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا جتنا آنحضرت ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھنے کا منظر تھا، نبی اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حضرت ابوبکرؓ کو اشارہ کیا کہ وہ آگے بڑھیں (اور امامت کرائیں) اور خود پردہ کھینچ لیا پھر اس کے بعد آپ کو اتنی طاقت نہ ہوئی کہ دوبارہ اس طرح کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔'' (بخاری)

پیچھے ابتداء میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پیر کے دن کے روزہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا اور اسی دن میری بعثت ہوئی۔'' (مسلم)

چنانچہ باری تعالیٰ کی مشیت کا تقاضا یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی وفات بھی پیر کے روز ہی ہو، امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''وہ تمام ایام جن پر سورج طلوع ہوتا ہے ان میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے، اُسی دن آدمؑ کی تخلیق کی گئی اسی روز وہ جنت میں داخل کیے گئے اور اسی روز جنت سے نکالے گئے۔''

امام ابوجعفر الطبریؒ نے فرمایا:

''اہل علم کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ربیع الاول کے مہینہ میں پیر کے روز ہوئی، البتہ ربیع الاول کے کون سے پیر کو وفات ہوئی اس میں اختلاف ہے۔''

(تاریخ الملوک والامم)

ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

''جہاں تک امام مالکؒ کے اس قول کا تعلق ہے کہ حضور ﷺ کی وفات پیر کے روز ہوئی تو یہ وہ بات ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔'' (الاستذکار: ۸/ ۲۸۸)

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال پیر کے روز ہوا۔'' (البدایہ والنہایہ)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

''آپ ﷺ کی وفات بلا کسی اختلاف کے پیر کے روز ربیع الاول میں ہوئی اور اس پر تقریباً اجماع ہے۔'' (فتح الباری: ۷/ ۷۳۶)

مصنف کہتے ہیں کہ یوم وفات پیر کا دن ہونا تو متعین ہے کیونکہ اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی حدیث مروی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے انتقال اور اس سے متعلق امور کی وہ سب سے زیادہ جاننے والی ہیں، اور کیوں نہ ہوں، رسول اللہ ﷺ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ سر مبارک انہی کی گود میں تھا۔ اسی طرح حضرت انسؓ کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے، علاوہ ازیں ابن سعدؒ نے طبقات میں عکرمہؒ اور ابن شہاب زہریؒ سے نقل کیا ہے کہ سب اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات پیر کے روز ہوئی۔ اور عکرمہؒ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی تدفین منگل کے روز رات میں ہوئی۔ گویا اہل سیر اس بات پر متفق ہیں کہ وفات کا دن پیر تھا۔ البتہ مہینہ کون سا تھا؟ اس میں بھی کوئی دوسرا قول نہیں کہ مہینہ ربیع الاول کا

تھا، البتہ ربیع الاول کا کون سا پیر تھا؟ یعنی تاریخ کیا تھی اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول کی دو راتیں گزرنے کے بعد جو پیر تھا اس میں وفات ہوئی۔ یہ ابو مخنف کا قول ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسی کو درست اور معتبر قرار دیا ہے۔ جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ ربیع الاول کی ۱۲ راتیں گزر چکی تھیں، اور یہ ابن اسحاق اور ابن الجوزی وغیرہما کا قول ہے۔ سہیلیؒ نے روض الانف میں اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اسے رد کیا ہے اور اس قول کے قائلین کے بارے میں کہا ہے کہ انہیں اس بارے میں مغالطہ اور وہم لاحق ہوا ہے۔

مصنف کہتے ہیں کہ اس بارے میں نہایت تحقیق و تفتیش اور بحث و تمحیص کے باوجود میں کسی ایک قول کی ترجیح پر مطمئن نہ ہو سکا، ایسا قول جس کو اختیار کر کے اس بارے میں جو کثرتِ آراء ہیں ان کے شور و شغب کو ختم کر دیا جائے وہ نہ مل سکا۔ اس بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ نامور اہل سیر کی آراء زیادہ معتبر ہیں مثلاً سلیمان التیمی، واقدی، ابن اسحاقؒ، عروہ، موسیٰ بن عقبہ وغیرہ کی آراء۔ واللہ اعلم۔

وفات کے وقت عمر مبارک:

آنحضرت ﷺ کا انتقال تریسٹھ (۶۳) برس کی عمر میں ہوا، چنانچہ اکثر اہل علم کا اسی پر اتفاق ہے بلکہ شیخ احمد فرید نے اس پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے۔ صحابہؓ میں سے حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباس اور ایک روایت کے مطابق حضرت انس بن مالک اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ اسی طرح تابعین کی ایک جماعت مثلاً سعید ابن المسیبؒ، شعبیؒ، عبداللہ بن عتبہ، ابو جعفر محمد بن علی، حسن بصریؒ وغیرہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ ائمہ حدیث میں سے امام بخاریؒ، امام احمدؒ، ابن سعدؒ، بیہقیؒ، ابن الجوزیؒ اور ابن کثیر وغیرہم رحمہم اللہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے کپڑے جن میں دنیا سے تشریف لے گئے:

ابو بردہؒ بن ابی موسیٰ الاشعریؓ فرماتے ہیں کہ:

''میں ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے یمن کے بنے ہوئے دو موٹے کپڑے نکال کر ہمیں دکھائے اور ایک چادر بھی نکالی جس کا نام ملبّدہ تھا (یعنی مختلف ٹکڑوں کو جوڑ کر بنائی جانے والی چادر) اور اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ ''رسول اللہ ﷺ ان دو کپڑوں میں دنیا سے تشریف لے گئے۔''

آپ ﷺ کو غسل کس طرح دیا گیا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا؟

''جب صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو وہ اس تردد میں پڑ گئے کہ کیا ہم رسول اللہ ﷺ کے کپڑے بھی اسی طرح اتار لیں جس طرح ہم اپنے مردوں کے کپڑے اتار کر غسل دیا کرتے ہیں یا ہم آپ ﷺ کے جسم اطہر پر کپڑوں کی موجودگی کے ساتھ آپ ﷺ کو غسل دیں؟ صحابہؓ اسی فکر میں غلطاں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی یہاں تک کہ ان میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جس کی ٹھوڑی اس کے سینے سے نہ جا لگی ہو (یعنی بیٹھے بیٹھے سو گئے اور سر جھکنے کی وجہ سے ٹھوڑی سینے سے جا لگی) پھر کسی نادیدہ بات کرنے والے نے ان سے پرانے گھر کے ایک کونے کی طرف سے یہ بات کہی کہ ''آپ ﷺ کو کپڑوں کے ساتھ غسل دو۔'' لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ بات کس نے کہی۔ چنانچہ صحابہؓ کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ کو اس طرح غسل دیا کہ قمیص مبارک آپ کے جسم پر ہی رہی، وہ پانی قمیص کے اوپر سے بہاتے تھے اور آپ ﷺ کے جسم اطہر کو اپنے ہاتھوں کی بجائے قمیص سے ہی ملتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:

''اگر مجھے پہلے سے یہ بات معلوم ہوتی (کہ آپ ﷺ کو کپڑوں کے ساتھ ہی غسل دینا ہے) تو آپ ﷺ کو آپ کی ازواج ہی غسل دیتیں۔''

کفن مبارک کیسا تھا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ کو یمن کے بنے ہوئے تین سحولی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا، جس میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا۔'' (رواہ البخاری)

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہؓ سے روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے:

''رسول اللہ ﷺ کو تین سوتی سحولی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا اس میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا، جہاں تک حلہ کا تعلق ہے تو چونکہ لوگوں پر اسکا معاملہ مشتبہ ہو گیا تھا کہ یہ آپ ﷺ کو کفن دینے کے لیے خریدا گیا تھا، لہٰذا اس میں کفن دینے کا ارادہ ترک کر دیا گیا اور پھر آپ ﷺ کو تین سفید سوتی کپڑوں میں جو یمن کے بنے ہوئے تھے کفن دیا گیا۔ اور اس حلہ کو عبداللہ بن ابی بکرؓ نے لے لیا تھا یہ کہہ کر میں اسے رکھوں تاکہ مجھے اس میں کفنایا جائے، لیکن پھر بعد میں کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ کپڑا پسند ہوتا تو وہ اپنے نبی ﷺ کے کفن کے لیے اس کو اختیار کرواتا (لہٰذا میں بھی اسکو کفن کے لیے نہیں رکھتا) چنانچہ اسے بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کر دی''

صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ کو ایک یمنی حلہ (کپڑوں کے جوڑے) میں رکھا گیا جو عبداللہ بن ابی بکرؓ کی ملکیت تھا، پھر (اس کے بارے میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا تو) اسے اتار دیا گیا اور بعد ازاں آپ

ﷺ کو تین یمنی سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا جس میں عمامہ اور قمیص نہ تھی، حضرت عبداللہؓ نے وہ حلہ یمانی اٹھا لیا اور کہا کہ: میں اس میں کفنایا جاؤں گا، پھر خود ہی کہنے لگے، رسول اللہ ﷺ تو اس میں کفنائے نہیں گئے میں اس میں کفنایا جاؤں؟ (ایسا نہیں ہو سکتا) چنانچہ اسے صدقہ کر دیا۔''

حضور علیہ السلام کی نمازِ جنازہ کیسے پڑھائی گئی؟

محدثِ کبیر ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اکرم ﷺ کو ایک چار پائی پر لٹا دیا گیا تھا، مسلمان جماعت در جماعت داخل ہوتے اور آپ ﷺ پر نماز پڑھتے اور سلام پھیر کر چلے جاتے، کسی نے ان کی امامت نہیں کی۔ (ابن سعد طبقات)

رسول اللہ ﷺ کی نمازِ جنازہ کے متعلق مختلف موقوف اور مقطوع روایات منقول ہیں جس میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ پر جماعتوں کی شکل میں نماز جنازہ پڑھی گئی، پہلے مردوں کی جماعتوں نے، پھر عورتوں کی جماعتوں نے، بعد ازاں بچوں اور پھر غلاموں کی جماعتوں نے نماز پڑھی، اور حضرت ابن مسعودؓ سے ایک حدیث مرفوع بھی منقول ہے، لیکن ان کی صحت کی بابت کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا اس لیے میں نے ان روایات کو اپنی کتاب میں ذکر کرنے سے گریز کیا ہے۔

ابن عبدالبر مالکیؒ فرماتے ہیں:

''لوگوں کا آپ ﷺ پر انفراداً نماز پڑھنا اتفاقی مسئلہ ہے اور اہل سیر اس پر متفق ہیں۔ رواۃ کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے اس میں ان کا اختلاف نہیں۔'' (التمہید: ۲۴۔۳۹۷)

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ:

''صحابہؓ کا یہ طرز عمل کہ انہوں نے آپ ﷺ پر انفرادی نماز

پڑھی اور کسی نے ان کی امامت نہیں کی ایک اجماعی مسئلہ ہے اور اسمیں کوئی اختلاف نہیں، البتہ اس کی کیا وجہ تھی؟ اس میں اختلاف ہے۔'' (البدایۃ والنھایۃ)

حضور علیہ السلام کی تدفین کب ہوئی؟

رسول اکرم ﷺ کی تدفین کب ہوئی؟ اس کے متعلق دو قول منقول ہیں
ابن عبدالبرؒ نے ان دونوں کو نقل کیا ہے:
ایک یہ کہ آپ ﷺ کی تدفین منگل کے روز ہوئی، اور دوسرا قول یہ ہے کہ بدھ کی رات میں تدفین ہوئی۔
ابن کثیرؒ نے ان دونوں اقوال میں دوسرے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا کہ:
ائمہ سلف و خلف میں سے متعدد اہل علم کا قول یہی ہے، مثلاً سلیمان بن طرخان التیمی، جعفر بن محمد الصادقؒ، ابن اسحاقؒ، موسیٰ بن عتبہؒ وغیرہم۔ (البدایہ والنہایہ)
دونوں اقوال میں تطبیق کرنا ممکن ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ ممکن ہے تدفین سے فراغت ہوتے ہوتے رات ہوگئی ہو جسے بعض نے بدھ کی رات سے تعبیر کردیا ہو۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رقت آمیز جملہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:
''جب رسول اللہ ﷺ کی تدفین ہوگئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:
''اے انس! کیا تمہارے دلوں نے اس بات کو بخوشی قبول کرلیا کہ تم رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالو۔'' (رواہ البخاری)
حافظ ابن حجرؒ حضرت فاطمہؓ کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:
''حضرت فاطمہؓ نے اپنے اس قول سے حضرت انسؓ پر اپنے عتاب

کا اظہار فرمایا ہے اس بات پر کہ آنحضرت ﷺ سے صحابہؓ کی
شدید محبت جس کا اظہار ہر موقع پر ہوتا رہا اور آپ ﷺ کی
بیماری اور وفات کے موقع پر ان کی طرف سے جس رقتِ قلب کا
مظاہرہ ہوا اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کے دل حضور ﷺ کو سپردِ
خاک کرنے پر کبھی آمادہ نہ ہوتے۔

اس پر حضرت انسؓ کا جواب نہ دینا حضرت فاطمہؓ کی شان اور ان کے مقام کی رعایت کے تقاضا کی بناء پر تھا البتہ وہ زبانِ حال سے گویا یوں کہہ رہے تھے کہ:

''ہمارے دل اس بات پر کبھی بھی آمادہ نہ ہوئے لیکن ہم نے بامر مجبوری اور بادل نخواستہ یہ اقدام کیا جس کی وجہ بھی حضور ﷺ ہی کے حکم کی اتباع اور اطاعت تھی۔'' (فتح الباری)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نزع کے وقت مریض کے سامنے اظہارِ تکلیف جائز ہے اور یہ نوحہ کے زمرہ میں داخل نہیں جیسا کہ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا تھا: واکرب اباہ اور آنحضرت ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، اور اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ نے وا ابتاہ کے الفاظ کہے، اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ میت کے لیے اگر ایسے الفاظ اور صفات استعمال کیے جائیں جن سے میت متصف ہو تو ان کے اظہار اور استعمال سے روکا نہیں جائے گا اور اگر وہ میت ان صفات سے متصف نہ ہو یا ظاہراً متصف ہو اور باطن میں حقیقتاً متصف نہ ہو بلکہ اس کے برعکس ہو تو وہ ممانعت میں داخل ہوگی۔'' (فتح الباری)

امام دارمیؒ نے اپنی مسند میں حضرت انسؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے حماد بن زید بن ثابت عن انسؓ کے طریق سے، اس میں حمادؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھ سے ثابتؒ نے یہ

حدیث بیان کی تو وہ رونے لگے اور فرمایا کہ جب ان سے حضرت انسؓ نے یہ حدیث بیان کی تو وہ بھی رو رہے تھے، مصنف فرماتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ سب ہی اپنے نبی ﷺ کی مفارقت پر روئیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کا حشر اپنے نبی ﷺ کے ساتھ فرما دے۔ آمین۔

آنحضرت ﷺ کی قبر اطہر کا مقام:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

> ''رسول اللہ ﷺ اپنے مرض وفات میں (غشی کی حالت سے افاقہ ہونے پر) وقت کا اندازہ کرنے کے لیے دریافت فرمایا کرتے کہ: میں آج کہاں ہوں؟ میں کل کہاں ہوں گا؟ (یعنی کس زوجہ کے گھر میں ہوں؟) اور اس سوال کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ عائشہؓ کے ہاں جانے کا دن آپ ﷺ کو بہت دیر میں آتا محسوس ہو رہا تھا، پھر جب میری باری کا دن تھا تو اللہ تعالیٰ نے میری گود میں آپ ﷺ کی روح قبض فرمائی اور آپ ﷺ میرے ہی گھر میں دفن ہوئے۔'' (رواہ البخاری)

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ شریفہ میں مدفون ہیں اور اس میں آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی مدفون ہیں اور یہیں سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ قبر نبوی ابتداءً مسجد میں نہیں تھی بلکہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں تھی (بعد میں توسیع ہونے پر وہ جگہ بھی مسجد میں شامل ہو گئی) لہٰذا اس سے وہ لوگ دلیل اور حجت نہیں حاصل کر سکتے جو ایسی مساجد میں نماز کے جواز کے قائل ہیں جو قبروں پر بنائی گئی ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ فرماتے ہیں:

> ''اہل علم کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا

حضرت عائشہؓ کے گھر میں جس جگہ وصال ہوا تھا وہیں آپ ﷺ کی تدفین بھی ہوئی، بعد ازاں آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ازواج کے گھر اور حجرے مسجد میں شامل ہو گئے اور آپ ﷺ کی قبر شریف بھی مسجد میں داخل ہوگئی۔ (الاستذکار: ۸/ ۲۸۷)

حضور ﷺ کی قبر مبارک کیوں ظاہر نہ رکھی گئی؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث پیچھے گزر چکی ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اکرم ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں ایک بار ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ آپ ﷺ کی قبر اطہر کو بھی سجدہ گاہ بنالیں گے تو آپ کی قبر اطہر ظاہر ہی رکھی جاتی۔''

اس حدیث میں یہ بات بالکل صراحتاً بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر اطہر ظاہر نہیں تھی بلکہ بعد میں مسجد میں داخل ہوگئی (اور شروع میں گھر میں تھی جہاں ہر ایک کو جانے کی اجازت نہ تھی)

جبکہ اس حدیث میں قبر اطہر کے ظاہر نہ رکھے جانے کی علت اور وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے اور وہ حضرت عائشہؓ کا یہ قول ہے کہ: ''اس خدشہ کے پیش نظر کہ آپ ﷺ کی قبر اطہر کو بھی سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے۔''

اور آنحضرت ﷺ نے یہود و نصاریٰ پر اس وجہ سے لعنت فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا، اور آپ ﷺ نے اپنی امت کو یہود و نصاریٰ کے طرز عمل سے بچنے اور احتراز کی تلقین فرمائی تھی، اور آپ ﷺ کو بھی یہ خدشہ لاحق تھا کہ کہیں یہ فعل شنیع آپ ﷺ کی امت مرحومہ میں بھی رائج نہ ہو جائے، کیونکہ یہ ایسا عمل شنیع ہے کہ یہ توحید کی نشانیوں کو مٹانے اور ڈھانے والا ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کی اس

تحذیر، انتباہ اور خطرہ سے آگاہ کرنے کے باوجود اکثر لوگوں نے اپنے نبی کی مخالفت کی راہ اپنائی، اور اپنے سے پچھلی امتوں یہود و نصاریٰ کے اس عمل کی اتباع کا وطیرہ اپنایا کہ قبروں کو مسجد بنالیا جائے، چنانچہ لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیا اور دیگر اولیاء اللہ کے مزارات اور قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ بلکہ وہ تو مزید ایک قدم آگے بڑھ گئے اور انہوں نے ان کو پختہ بنانا شروع کر دیا، قبروں اور مزارات کی زیارت کے لیے سفر کرنے لگے اور ان قبروں کے گرد طواف کو بھی عبادت سمجھنا شروع کر دیا، ان قبروں کی تعظیم بیت اللہ کی طرح کرنے لگے۔ أعاذنا اللّٰہ من ذالک۔

حضور پرنور علیہ اسلام کی قبر کیسی تھی؟

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے عامر بن سعد فرماتے ہیں کہ

جب حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ:

’’میرے لیے جو قبر تیار کروانا وہ لحد ہو (یعنی بغلی قبر ہو) اور میری قبر پر اس طرح ایک اینٹ گاڑ دینا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر کیا گیا تھا۔‘‘ (رواہ مسلم)

سفیانؒ تمار فرماتے ہیں کہ:

’’انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت کی، وہ کوہان نما تھی۔‘‘ (رواہ البخاری)

حافظ ابن حجرؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:

’’یعنی درمیان میں سے اٹھی ہوئی اور کچھ بلند تھی، ابونعیمؒ نے مستخرج میں اس بات پر یہ اضافہ کیا ہے کہ: ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں بھی اسی طرح (کوہان نما) تھیں۔‘‘

اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قبروں کو مسنم یعنی کوہان نما بنانا مستحب ہے، (فتح الباری)

قبر اطہر میں کیا رکھا گیا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک میں ایک مخملی چادر رکھی گئی۔''

(رواہ احمد و مسلم والنسائی والترمذی)

وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''یہ چادر کا رکھا جانا نبی ﷺ کے ساتھ خاص تھا، انہی کی خصوصیت تھی، ہر ایک کے ساتھ نہیں رکھی جائے گی۔'' (طبقات ابن سعد)

حضرت حسن بصریؒ نے جب یہ حدیث ذکر کی تو اس کے بعد فرمایا:

''اصل میں وہ (قبر کی) زمین نمی والی تھی۔'' گویا یہ علت اور وجہ بیان کی کہ آنحضرت ﷺ کی قبر میں چادر کیوں رکھی گئی اس لیے کہ قبر کی زمین گیلی اور نمی والی تھی، بہر کیف! وجہ کوئی بھی ہو یہ رسول اللہ ﷺ کی خاصیت تھی جیسا کہ وکیع بن الجراحؒ کا قول اوپر گزرا۔ اور اگر کوئی وجہ نہ بھی ظاہر ہو تب بھی ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ ہمارے کسی عمل کا مدار اس پر نہیں ہے۔

گروی شدہ زرہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''رسول اکرم ﷺ کا وصال اس حال میں ہوا کہ آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع (ایک پیمانہ ہے) جو کے عوض رہن (گروی) رکھی ہوئی تھی۔''

بعض روایات میں مضمون اس طرح ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے کچھ طعام (غلہ اناج وغیرہ) خریدا اور قیمت کی ادائیگی کے لیے ایک مدت مقرر کر لی اور

آپ کی لوہے کی زرہ اس کے پاس رہن (گروی) رکھوائی گئی۔"

سابقہ روایات میں اس غلہ کی وضاحت جو سے کی گئی ہے۔

فائدہ: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ عظیم فتوحات کے بعد بھی جبکہ مدینہ کے اکثر حضرات صحابہؓ افلاس سے نکل کر خوشحالی کے دور میں داخل ہو گئے تھے اور فتوحات کے ثمرات سے بہرہ مند ہو رہے تھے اسی اختیاری فاقہ کے ساتھ زندگی گزارتے رہے جو آپ کا طرۂ امتیاز تھا، اور دنیا اور اس کے مال و متاع سے بالکل بے رغبت رہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ:

"ایک بار وہ آنحضرت ﷺ کے لیے کچھ روٹی اور کچھ پگھلی ہوئی چربی جس کی بو بھی متغیر ہو چکی تھی لے کر گئے، آپ ﷺ کی زرہ مدینہ منورہ میں ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی آپ ﷺ نے اس سے اپنے گھر والوں کے لیے جو لئے تھے، اور میں نے آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا:

"محمد ﷺ کے گھر والوں پر شام نہیں آتی مگر اس حال میں کہ ان کے پاس ایک صاع گندم یا غلہ و اناج بھی نہ ہوتا تھا" حالانکہ آپ ﷺ کی نو ازواج مطہرات تھیں۔"

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں فرمایا کہ:

"ابن الطلاع نے "الا قضیۃ النبویہ" میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی زرہ (جو گروی رکھی ہوئی تھی) کو چھڑایا (یعنی یہودی کی رقم ادا کر کے وہ زرہ واپس لے لی) البتہ طبقات ابن سعد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے نبی اکرم ﷺ کے وعدوں کی تکمیل فرمائی تھی (یعنی حضور ﷺ نے اپنی حیات میں

کسی سے کچھ مال وغیرہ دینے کا وعدہ فرمایا تھا لیکن اس کی ایفاء کا موقع نہ مل سکا ان کی ادائیگی اور ایفاء ابوبکرؓ نے فرمایا، اور جہاں تک آپ ﷺ کے دیون اور آپ ﷺ پر واجب الاداء رقوم کے معاملات تھے وہ حضرت علیؓ نے پورے کیے، (لیکن یہ واقدی کی روایت ہے. جو حدیث میں ثقہ نہیں ہیں)

اسحٰق بن راہویہ نے اپنی مسند میں شعبیؒ سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، نے زرہ یہودی سے چھڑا کر حضرت علیؓ کو دے دی تھی۔

مصنف فرماتے ہیں کہ مجھے اس زرہ کے متعلق کہ کس نے اس کو چھڑایا کوئی صحیح روایت نہ مل سکی، لہٰذا کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی، اللہ تعالیٰ ہی اس کے بارے میں زیادہ جانتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ:

''آنحضرت ﷺ کے یہودی کے پاس زرہ رہن رکھوانے کی وجہ آپ ﷺ کا زہد، تواضع، دنیا سے بے رغبتی، دنیا اور اس کے مال ومتاع کے حصول کی قدرت رکھنے کے باوجود اس سے بہت کم استفادہ کرنا اور اشیاء کو ذخیرہ کر کے جمع کرنے کے بجائے ضرورتمندوں کو کثرت سے دے دینا وغیرہ جیسے امور تھے، آپ ﷺ ازواج مطہرات کو بھی اس فضیلت کے حصول کے لیے صبر پر آمادہ دیکھنے کی تمنا کی وجہ سے آپ ﷺ کو اپنی زرہ رہن رکھوانے کی حاجت پیش آئی۔

علماء نے فرمایا کہ رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ نے گندم یا اناج وغیرہ کے حصول کے لیے یہودی سے معاملہ کیا حالانکہ یہ معاملہ کسی خوشحال مسلمان سے بھی کیا جا سکتا تھا، تو اس کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں:

ایک وجہ تو یہ ممکن ہے کہ بیان جواز کے لیے آپ ﷺ نے یہودی سے

معاملہ کیا ہو، یعنی اپنی امت کو یہ بتلانے کے لیے کہ دنیاوی امور و معاملات میں یہود و نصاریٰ سے بھی لین دین کیا جا سکتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے اس وقت دیگر مسلمانوں کے پاس ان کی اپنی ضرورت سے زائد غلہ اور اناج وغیرہ نہ ہو۔

تیسری وجہ یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے پیش نظر یہ خدشہ رہا ہو کہ اگر اپنے صحابہؓ سے معاملہ کرتے تو وہ اس غلہ یا اناج کے عوض قیمت وصول نہ کرتے، تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو تنگی سے بچانے کے لیے یہود سے معاملہ فرمایا۔ اور اس بات میں کوئی بعد نہیں کہ صحابہؓ میں سے اس وقت جو خوشحال ہوں اور آپ ﷺ کے ساتھ یہ تعاون کرنے پر قادر ہوں شاید انہیں اس امر کی کوئی اطلاع ہی نہ ہو بلکہ وہ صحابہؓ اس امر سے مطلع ہوں جن کو خوشحالی اور فارغ البالی میسر نہ ہو اور انہوں نے ہی اس واقعہ کو بعد میں نقل کیا۔" (فتح الباری: ۵/ ۱۶۸)

مرض وفات میں جیش اسامہؓ کی روانگی:

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں مندرجہ بالا عنوان پر باب قائم فرمایا اور اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے۔

"نبی اکرم ﷺ نے حضرت اسامہؓ کو لشکر پر امیر مقرر فرمایا تو (ان کی کم سنی اور ناتجربہ کاری کے باعث) بعض لوگوں نے کچھ باتیں بنائیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مجھے یہ باتیں پہنچی ہیں کہ تم اسامہؓ کے متعلق چہ میگوئیاں کر رہے ہو، حالانکہ وہ سب لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب ہے۔"

اس کے بعد امام بخاریؒ نے عبداللہ بن دینارؒ کی روایت نقل کی ہے جو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ:

"رسول اکرم ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور اس کا امیر اسامہ

بن زید رضی اللہ عنہما کو بنایا، لوگوں نے ان کی امارت پر نکتہ چینی کی، رسول اللہ ﷺ (کو علم ہوا تو) کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا:

''اگر تم اسامہؓ کی امارت کے متعلق نکتہ چینی کر رہے ہو تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) اس سے قبل تم اس کے باپ زیدؓ کی امارت کے متعلق بھی اعتراض اور نکتہ چینی کر چکے ہو، اللہ کی قسم! وہ (زیدؓ) امارت کے لیے بالکل موزوں تھا اور بلا شبہ وہ (زید) سب لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب تھا اور اس کے بعد بلا شبہ یہ (اسامہ) مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے۔''

طبقات ابن سعد میں یہی حدیث موسیٰ بن عقبہ عن سالم بن عبداللہ عن ابیہ یعنی ابن عمرؓ کے طریق سے نقل کی ہے کہ انہوں نے سنا کہ ابن عمرؓ رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان فرماتے ہیں کہ:

''جب رسول اللہ ﷺ نے اسامہؓ بن زیدؓ کو لشکر کا امیر مقرر فرمایا تو آپ ﷺ کو یہ اطلاع پہنچی کہ لوگوں نے اسامہؓ کی عیب جوئی کی ہے، اور ان کی امارت پر نکتہ چینی کی ہے۔ اس پر آپ علیہ السلام کھڑے ہوئے اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''سنو! تم اسامہ کی عیب جوئی کرتے ہو اور اس کی امارت پر نکتہ چینی کرتے ہو، اس سے پہلے یہ کام تم اس کے باپ (زیدؓ) کے ساتھ بھی کر چکے ہو، رب ذوالجلال کی قسم! اس کا باپ امارت کے منصب کے لیے انتہائی موزوں تھا، اور وہ مجھے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عزیز تھا، اس کے بعد اس کا یہ بیٹا مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے، لہٰذا اس کے ساتھ خیر کا برتاؤ کرو۔ اس لیے کہ وہ تمہارے بہترین لوگوں میں سے ہے۔''

سالمؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ جب بھی یہ حدیث بیان فرماتے تو اس کے

بعد یہ کہتے: ''سوائے فاطمہؓ کے۔'' یعنی سوائے فاطمہؓ کے سب سے زیادہ محبوب ہے، مصنف کہتے ہیں کہ میں اس میں حضرت عائشہؓ کا بھی استثناء کرتا ہوں کیونکہ ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی نص صریح موجود ہے کہ وہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق وارد ہے کہ وہ تمام مردوں سے زیادہ آپ ﷺ کو محبوب تھے، لہٰذا اس حدیث کو محمول کیا جائے گا اس بات پر کہ موالی (یعنی آزاد کردہ غلاموں) میں آپ کو سب سے زیادہ عزیز حضرت زیدؓ بن حارثہ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ بن زید تھے۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے عبداللہ بن دینار کی روایت میں نقل کیا ہے۔

بہرحال! اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے رومیوں سے جنگ کے لیے ایک عظیم الشان لشکر تیار فرمایا اور اس لشکر کا امیر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ لوگوں نے ان کی امارت پر نکتہ چینی کرنا شروع کر دی جس کی وجہ یا تو اسامہؓ کی نوعمری اور کم سنی تھا یا ان کا آزاد کردہ غلام ہونا۔ بہرحال بات جو بھی رہی ہو، رسول اللہ ﷺ نے اسامہؓ کی امارت ہی کو باقی رکھا اور اس پر اصرار فرمایا اور جو لوگ ان پر نکتہ چینی کر رہے تھے ان کو صاف بتلا دیا کہ اسامہؓ آپ ﷺ کو سب لوگوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ اور آپ ﷺ کی محبوبیت انہیں اُس لشکر عظیم الشان کی امارت کا اہل اور موزوں بنا دیتی ہے جو غزوۂ روم کے لیے روانگی کے لیے تیار تھا، علاوہ ازیں حضرت اسامہؓ کی ذہانت و فطانت، ان کی اصابت رائے اور بہترین تصرف انہیں مزید اس منصب کا اہل ثابت کرتا تھا۔

غرض جب یہ لشکر تیار ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے تیار قرار دے دیا اور لشکر روانگی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ کے مرض کی خبریں لوگوں میں گردش کرنے لگیں، لوگ آپ ﷺ کے مرض (کا سن کر گھبرا گئے اور) اسی میں مشغول ہو گئے، کیونکہ صحابہ کرامؓ کا حال تو یہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کی خوشی سے خوش ہوتے اور آپ ﷺ کی تکلیف ان کی تکلیف و الم کا باعث تھی، ان کو رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کو عافیت و خوشی سے مسرور دیکھنے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ تھی، اور اس سے

زیادہ کوئی چیز صحابہؓ کی نظر میں مبغوض نہ تھی کہ آپ ﷺ کے قلب مُصفّٰی ومجلیٰ پر کوئی چیز تکدر یا گرانی کا سبب بنے یا آپ ﷺ کو کوئی تکلیف پہنچے، چنانچہ آپ ﷺ کی وفات تک صحابہؓ آپ ﷺ کے مرض کی وجہ سے متفکر و دلگیر اور مشغول رہے اور جیش اسامہؓ کی روانگی نہ ہو سکی۔

جب رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے حضرت اسامہؓ کے لشکر کی روانگی ممکن بنائی، چنانچہ یہ لشکر غازی بن کر گیا اور فاتح بن کر، مال غنیمت حاصل کر کے صحیح وسالم فتح ونصرت کے جھنڈے گاڑتا ہوا اور مشرکین کے غیظ وغضب کو بھڑکاتا ہوا اور مرتدین کو خوف سے لرزاتا واپس آیا۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: البدایۃ والنہایہ/ابن کثیر۔ طبقات ابن سعد۔ فتح الباری، وغیرہ)

حضور ﷺ کی وفات کی وجہ سے کون سے معاملات تشنۂ تکمیل رہ گئے تھے؟

ان امور میں سے چند یہ ہیں:

☆ یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی زرہ کو چھڑانا۔ اس کا قصہ پیچھے گزر چکا ہے۔

☆ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کے لشکر کی روانگی۔ (// // //)

☆ حضرت ابوبکرؓ کے حق میں خلافت کی تحریر لکھوانا۔ (// // //)

☆ اسی سے متعلق نویں محرم کا روزہ بھی ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کے رکھنے کا حکم فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس دن کی تعظیم تو یہود ونصاریٰ کرتے ہیں۔ (تو ہمارا روزہ رکھنا بھی اس دن کی تعظیم ہے اور اس میں یہود ونصاریٰ سے مشابہت ہو جاتی ہے) اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

☆ جب اگلا سال (محرم) آئے گا تو ان شاء اللہ ہم نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے۔"
(تاکہ یہود ونصاریٰ سے مشابہت کا شائبہ بھی نہ رہے) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ

اگلا محرم آنے سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔ (رواہ مسلم)

☆ ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تیرہ جوان اونٹنیاں دینے کا حکم فرمایا تھا، لیکن اس سے قبل ہم ان اونٹنیوں پر قبضہ حاصل کرتے، رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کر لی گئی۔

وحی منقطع ہو جانا اور صحابہؓ کا غمگین ہونا:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: چلیں ہم دونوں ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کے لیے ان کے پاس چلے چلیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے پاس اکثر تشریف لیجایا کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ جب ہم ام ایمنؓ کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگیں، ان حضرات نے فرمایا: کیا بات ہے آپ کس وجہ سے روئیں؟ اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے رسول اللہ ﷺ کے لیے جو کچھ ہے وہ زیادہ بہتر ہے۔ ام ایمنؓ نے فرمایا: میں اس وجہ سے نہیں رو رہی ہوں کہ مجھے نہیں معلوم کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ کے پاس جو کچھ ملا ہے وہ بہتر ہے۔ بلکہ میرے رونے کا سبب تو آسمان سے آنے والی وحی کا منقطع ہو جانا ہے۔ اس بات سے انہوں نے ابوبکر و عمرؓ کے جذبات بھی بھڑکا دیئے اور وہ دونوں بھی ان کے ساتھ گریہ و بکا میں مشغول ہو گئے۔'' (رواہ مسلم)

صحیح البخاری میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں وحی کے ذریعہ گرفت میں آجاتے تھے، اور اب وحی منقطع ہو چکی ہے، اب تو ہم تمہارے ظاہری اعمال کے مطابق پکڑیں گے، لہٰذا جو ہمارے سامنے اپنے اعمال ظاہرہ سے خیر ظاہر کرے گا ہم اسے پناہ دیں گے اور اسے اپنے سے قریب کریں گے اور اس کے باطن کے ہم ذمہ دار نہیں،

باطن اور سرائر کا حساب اللہ ہی فرمائے گا۔ اور جس نے ظاہراً ہم سے برائی کی تو نہ ہم اسے پناہ دیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے (گواہی وشہادات وغیرہ میں) اگرچہ وہ یہ کہتا رہے کہ اس کا باطن بہت اچھا ہے۔''

فائدہ: یعنی وحی کے دور میں تو کسی کے سچ جھوٹ کا پتہ چلانا ممکن تھا لیکن اب جبکہ وحی منقطع ہو چکی ہے اور نبی علیہ السلام دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں، ہم فقط ظاہر کی بنیاد پر کسی کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ کریں گے اور اسی پر ان کے اعمال کا مدار ہوگا۔ ان کے باطن اور دل کے احوال کو اللہ کے سپرد کریں گے۔''

حضور ﷺ کی وفات کے بعد شرعی حجت کیا ہے؟

ملت اسلامیہ اور شریعت مطہرہ کے محکم اور لازوال اصولوں میں یہ بات بالکل بنیادی ہے کہ اصل اور حقیقی حکم وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے جس کی تبدیلی یا منسوخی قابل قبول نہیں۔ اور انسان دائرہ ایمان و اسلام میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت و وحدانیت کو تسلیم نہ کرے اور اس کے حکم اور فیصلہ کے برحق ہونے کا یقین نہ رکھے، اور اس شریعت کے حق ہونے کا دل سے معترف نہ ہو جو اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی عطا فرمائی، چنانچہ قرآن وسنت میں ایسی متعدد نصوص صریحہ اور واضح آیات واحادیث موجود ہیں جن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ زندگی کے کسی بھی معاملہ میں تنازع پیدا ہو جانے کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کی طرف رجوع کرو۔

علماء ربانی کی تحریریں اور اقوال اس بات پر متفق ہیں کہ اسکے معنیٰ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے۔ چنانچہ یہ بات تمام اہل علم بلکہ عام مسلمانوں کے نزدیک بھی مقرر اور طے شدہ ہے کہ ہر حال میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے رجوع کرنا ضروری ہے۔

حضور علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں تو حضراتِ صحابہ کرامؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے دین و شریعت کے احکام براہِ راست حاصل کر لیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی تو صحابہؓ نے کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت جو انہوں نے میراث میں حاصل کی تھی اور ان کے پاس محفوظ تھی کی طرف تنازعات میں رجوع کرنا شروع کر دیا۔ پھر صحابہؓ کے بعد تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور سلف صالحینؒ سب نے اسی ترتیب پر قائم رہنا اپنا معمول بنایا اور ہمارے اس عصر حاضر تک یہی ترتیب متفقہ اور اجماعی ہے۔ چنانچہ دورِ صحابہؓ سے عصر حاضر تک مسلمانوں کی ہر نسل نے اس ترتیب کو وراثتاً بالا جماع قبول کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں:

قرآن و سنت اور اجماعِ امت سے یہ بات متفقہ طور پر طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، جو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے تو اس نے اپنی گردن سے دین کا قلاوہ اکھاڑ دیا اور اللہ حی و قیوم سے کھلی جنگ کا اعلان کر دیا، وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اس اصول پر شرعی حجتیں اور براہین بالکل واضح اور دو ٹوک ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ ...... الآية﴾ (الاحزاب: ۴۰)

''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باپ نہیں کسی کے تمہارے مردوں میں سے، لیکن رسول ہیں اللہ کے اور مہر سب نبیوں پر۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں تمام انبیاء کے آخر میں ہوں۔'' (رواہ البخاری)

ائمہ حدیث میں سے حضرت امام مسلمؒ اور امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب ''دلائل

النبوۃ'' میں آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت پر ابواب قائم فرمائے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی متعدد کتب حدیث کے مصنفین نے اس عنوان سے ابواب قائم کیے ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کو بیان کرنے والی کتاب ''العقیدۃ الطحاویۃ'' میں ہے کہ:

''اس بات کا عقیدہ رکھنا لازم ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے منتخب رسول ہیں۔ اور یہ کہ وہ خاتم الانبیاء ہیں۔ اور یہ کہ آپ ﷺ کے بعد کسی بھی قسم کا دعوائے نبوت گمراہی ہے اور خواہش نفس کی وجہ سے ہے۔''

بہرکیف! مسئلہ ختم نبوت بالکل واضح اور صریح ہے اس کے مزید بیان، تفصیل اور اس پر مزید دلائل کے بیان کی ضرورت اور حاجت نہیں۔

حضور ﷺ کی ازواج مطہراتؓ سے نکاح حرام ہونا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا...... إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۵۳)

''تمہارے لیے (اے مسلمانو!) روا نہیں کہ تم تکلیف دو اللہ کے رسول ﷺ کو اور نہ یہ کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد ہمیشہ کے لیے۔'' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاصیت اور ازواج مطہراتؓ کا خاص شرف تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ازواج مطہراتؓ سے آپ ﷺ کے بعد نکاح کو حرام کر دیا، اور یہ بھی بتلا دیا کہ یہ امر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے کہ نبی کی ازواج نبی ﷺ کے بعد کسی کے نکاح میں

رہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ازواج مطہراتؓ کافی مدت تک بقید حیات رہیں لیکن کسی غیر کو انہوں نے اپنے قریب نہیں کیا حتیٰ کہ وفات پا گئیں، رضی اللہ عنہن وارضاہ۔ یہ تمام کی تمام مسلمانوں کی مائیں تھیں اللہ تعالیٰ ان کا اور ہمارا سب کا حشر اپنے نبی ﷺ کے ساتھ فرمائے۔ آمین۔

آنحضرت ﷺ کے دیدار کی تمنا:

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے، تم میں سے کسی کے اوپر ایسا دن بھی آئے گا کہ وہ میرا دیدار نہ کر سکے گا اور میرے ایک بار دیدار سے۔ بہرہ ور ہونا اس کے نزدیک اپنے گھر والوں اور اپنے مال سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔''

ابو اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ: میرے نزدیک یہاں تقدیم وتاخیر ہے۔ اور معنیٰ یہ ہیں کہ اس کو اپنے گھر والوں اور مال کے ساتھ میری زیارت کرنا اپنے اہل وعیال اور مال سے زیادہ محبوب ہوگا۔ امام مسلمؒ نے اسی طرح اس کو روایت کیا ہے۔ جبکہ امام بخاریؒ نے یہ حدیث اس طرح نقل کی ہے:

> ''تم میں سے کسی کے اوپر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ میری زیارت کرنا اس کے نزدیک اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہوگا کہ اس کے پاس اس کے گھر والے اور مال کے مثل ہو۔''

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

> ''صحابہؓ میں سے ہر ایک رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ خواہش کیا کرتا تھا کہ کاش وہ حضور علیہ السلام کا دیدار کر لے خواہ

اسکے اہل وعیال اور مال کے مثل ضائع ہو جائے۔
یہ بات میں نے اس لیے کہی کہ صحابہؓ کے بعد سے لے کر آج ہمارے زمانہ تک کون مسلمان ہے جس کے دل میں یہ تمنا مجزن نہ ہوتو صحابہؓ جو حضور علیہ السلام سے اپنی لازوال محبت اور اپنے عظیم مرتبہ کی بناء پر سب سے فائق ہیں کیسے اس کی تمنا اور خواہش ان کے دل میں ٹھاٹھیں نہ مارتی ہوگی (جبکہ وہ آفتاب رسالت ﷺ کی شعاعوں سے اپنی نگاہوں کو روشن و منور کر چکے تھے)۔
صحیح مسلم شریف کی ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''میری امت میں مجھ سے شدید محبت کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے، ان میں سے بعض کی تمنا ہوگی کہ کاش وہ اپنے اہل ومال کے عوض ایک بار میری زیارت سے مشرف ہو جائے۔''

ابن عبدالبر مالکیؒ فرماتے ہیں: سفیانؒ بن عیینہ اس اور اس جیسی حدیث کی شرح میں فرماتے تھے کہ یہ بات اللہ نے اپنی کتاب میں واضح طور پر بیان فرمائی ہے:

> ''اور تم کیسے کفر کرتے ہو جبکہ تمہارے اوپر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور اس کا رسول تمہارے درمیان موجود ہیں۔'' (التمہید: ۲۰۔۲۴۹)

بہر حال ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی کتاب سے فیصلہ حاصل کرے اور اللہ کے رسول ﷺ سے فیصلہ حاصل کرے، آپ ﷺ کی حیات میں آپ ﷺ کی شخصیت مبارکہ سے اور آپ ﷺ کی زندگی کے بعد آپ ﷺ کی سنت سے رجوع کرے۔
احادیث میں اس شخص کے لیے بشارتیں آتی ہیں جو آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی اتباع کرتا رہا، آپ ﷺ کی سنت پر قائم رہتے ہوئے زندگی گزاری تو روز

حشر حوضِ کوثر پر نبی علیہ السلام سے ملاقات کا شرف حاصل کرے گا اور آپ وہاں اپنی امت کے منتظر ہوں گے۔

اسی طرح احادیث میں یہ امر بھی صراحت کے ساتھ وارد ہوا ہے کہ اس موقع پر ان لوگوں کے لیے حوضِ کوثر میں سے حضور علیہ السلام کے دستِ مبارک سے جام کوثر پینے اور آپ ﷺ کا دیدار کا کوئی موقع نہ ہوگا جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد دین میں نئی باتیں ایجاد کیں اور دین میں تحریف وتبدیل کا دروازہ کھولا، بلکہ وہ حوض کوثر سے دھتکار دیئے جائیں گے۔ لہٰذا اے مسلمان! تم کو پہلی قسم کے مسلمانوں میں شامل ہونا چاہیے نہ کہ دوسری قسم کے مسلمانوں میں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو رشد و ہدایت کی راہ پر چلائے اور گمراہی و بے راہ روی سے ہمیں محفوظ فرمائے۔ آمین۔

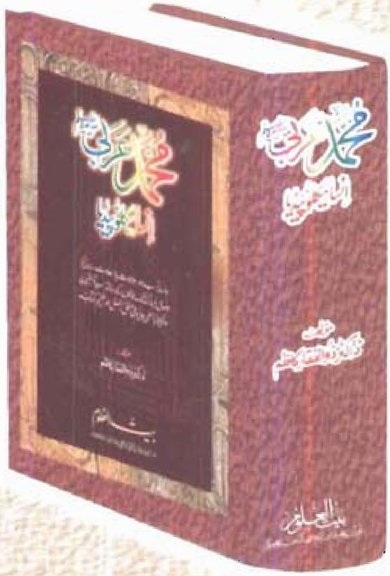
رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ حیات و پاکیزہ وفات:

رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے مکان سخ (جو عوالی میں تھا) تھے، انہیں جونہی اطلاع ہوئی تو بڑی تیزی کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے، گھوڑے سے اترے اور بغیر کسی سے بات کیے مسجد میں داخل ہوئے، حضرت عائشہؓ کے پاس ان کے حجرہ میں چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر پر موجود کپڑے کی طرف ہاتھ بڑھایا (آپ ﷺ کے جسد اطہر کو ایک یمنی چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے چہرۂ اطہر سے کپڑا ہٹایا، آپ ﷺ کو بوسہ دیا اور فرمایا:"

"میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ نے پاکیزہ زندگی گزاری اور پاکیزہ وفات سے ہمکنار ہوئے۔" (رواہ البخاری)

حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ سے زیادہ پاکیزہ حیات و وفات کس کی ہو سکتی ہے۔

صلی اللّٰہ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا محمّدٍ وّ اٰلہٖ و اصحابہٖ اجمعین٥



بیت العلوم